مارچ ۱۹۹۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

سلطنت خداداد پاکستان

خود کشی کی راہ پر؟

پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی کا فکر انگیز خطاب

قمری حساب سے پاکستان کی عمر کے 54 ویں سال کے آغاز پر ایک لمحۂ فکریہ!

جملہ دینی جماعتیں اور مذہبی قیادتیں غور فرمائیں کہ

کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے؟

کہ پاکستان کے مستقبل کو جو داخلی اور خارجی خطرات لاحق ہیں' اور خود سوزی اور خود کشی کے بڑھتے ہوئے واقعات کی صورت میں اللہ کے کسی بڑے عذاب کے جو آثار نظر آ رہے ہیں ان کے پیش نظر اپنے اپنے جماعتی اور گروہی حصاروں سے باہر نکل کر ایک ایسا

متحدہ اسلامی محاذ

تشکیل دیں ——— جو ——— بتوفیق الٰہی :

☆ اقتدار کی کشاکش سے کنارہ کش رہتے ہوئے' کسی شخص یا جماعت کو "ہٹاؤ" نہیں بلکہ "اسلام لاؤ" کی عوامی تحریک چلائے۔

☆ اور اس کیلئے خالص قرآنی لائحہ عمل یعنی "دعوت اِلی الخیر' اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر" (آل عمران : ۱۰۴) سے اپنی جدوجہد کا آغاز کرے۔

☆ اور معتدبہ قوت حاصل ہونے پر "نہی عن المنکر بالید" یعنی برائی کے خلاف طاقت کے استعمال کے ضمن میں پُرامن مظاہروں' ہڑتالوں' گھیراؤں حتیٰ کہ سول نافرمانی کی صورت اختیار کرلے!

☆ تاآنکہ یا سلطنت خداداد پاکستان میں دین حق کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم' اور شریعت اسلامی کا عادلانہ قانون نافذ ہو جائے' یا اللہ ہمیں شہادت کی موت عطا فرمادے!

اِس مقصد کیلئے اِن شاء اللہ جلد ہی میں خود بھی زعمائے ملت کے درہائے عالی پر حاضری دوں گا۔ تاہم سبقت اِلی الخیر کے خواہاں حضرات مجھ سے رابطہ میں پہل کریں گے تو یقیناً عند اللہ ماجور ہونگے۔

واضح رہے کہ تنظیم اسلامی مجوزہ محاذ کی داعی تو ہے لیکن کسی عہدے کی ہرگز طالب نہیں!

الداعی الی الخیر ——— خاکسار **اسرار احمد** عفی عنہ ——— امیر تنظیم اسلامی

○ 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور ○ فون : 3-5869501 ○ فیکس : 5834000
email : anjuman@brain.net.pk

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد کرو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۸
شمارہ :	۳
ذوالقعدہ	۱۴۱۹ھ
مارچ	۱۹۹۹ء
فی شمارہ	-/۱۰
سالانہ زرِ تعاون	-/۱۰۰

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ ' کینیڈا ' آسٹریلیا ' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب ' کویت ' بحرین ' قطر — 17 ڈالر (600 روپے)
  عرب امارات ' بھارت ' بنگلہ دیش ' افریقہ ' ایشیا
  یورپ ' جاپان
- ایران ' ترکی ' اومان ' مسقط ' عراق — 10 ڈالر (400 روپے)
  الجزائر ' مصر '

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے ' ماڈل ٹاؤن ' لاہور 54700۔فون : 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔اے ' گڑھی شاہو ' علامہ اقبال روڈ ' لاہور ' فون : 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ ' مرکزی انجمن ' طابع : رشید احمد چودھری ' مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال _____ ۳
حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ _____ ۵
سلطنت خداداد پاکستان خود کشی کی راہ پر؟
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ منہج انقلاب نبویؐ (۱۲) _____ ۱۷
○ مخالف قوتوں کا آخری قلع قمع — خطاب نہم (۲)
○ انقلاب محمدیؐ کی توسیع و تصدیر — خطاب دہم
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار (۱۰) _____ ۶۹
علامہ محمد صالح المنجد

☆ ظروف و احوال _____ ۷۷
ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ خیال
مسجد دارالسلام باغ جناح کے ۳ خطابات جمعہ کے پریس ریلیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

متحدہ اسلامی محاذ کے قیام کی تجویز امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے قریباً دو ماہ قبل پیش کی تھی اور قومی اخبارات میں بصورت اشتہار شائع کروا کے خاصے وسیع پیمانے پر اسے عام کیا تھا۔ مذکورہ محاذ کی عملی تشکیل کے لئے ابتدائی قدم کے طور پر ملک کی نمایاں دینی جماعتوں کے سربراہان سے رابطوں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ میثاق کی گزشتہ اشاعت میں انہی صفحات میں اس کی ایک اجمالی رپورٹ ہدیہ قارئین کر دی گئی تھی۔ گزشتہ ماہ کے دوران جن دینی زعماء اور نامور علماء سے اس ضمن میں امیر تنظیم نے ملاقات کی ان میں جے یو پی کے مولانا شاہ احمد نورانی، جے یو آئی کے مرکزی رہنما مولانا محمد خان شیرانی اور مجلس محاذِ عمل کے رہنما مولانا زاہد الراشدی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان ملاقاتوں کے ذریعے بحمد اللہ دینی زعماء کی جانب سے متحدہ اسلامی محاذ کے قیام کی تجویز کے بارے میں عمومی اتفاق رائے سامنے آیا۔

حال ہی میں متحدہ اسلامی محاذ کی تجویز کو عام کرنے اور اس کے لائحہ عمل کے بارے میں دینی جماعتوں کے سربراہان اور رجال دین کا اتفاق رائے حاصل کرنے کے لئے پاکستان کے تمام شہروں میں منہاجِ محمدیؐ کانفرنسوں کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کانفرنس ۲۱ فروری کو راولپنڈی پریس کلب ہال میں منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس تعدادِ شرکاء ہی نہیں مقررین کی شرکت کے اعتبار سے بھی نہایت بھرپور اور کامیاب رہی۔ مقررین میں تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان، جے یو آئی کے مرکزی رہنما مولانا محمد خان شیرانی اور معروف دانشور جنرل (ریٹائرڈ) حمید گل کے نام نمایاں تھے ـــــ اس سلسلے کی دوسری کانفرنس ان شاء اللہ ۲۸ فروری کو پشاور میں منعقد ہو گی۔ جس میں مالاکنڈ میں تحریک نفاذ شریعت کے امیر مولانا صوفی محمد کی شرکت بھی متوقع ہے۔ مزید برآں مولانا گوہر رحمان اور مولانا سمیع الحق کے علاوہ بعض دیگر معروف مقامی علماء نے بھی شرکت کا وعدہ کیا ہے۔ لاہور میں اگر اللہ نے چاہا تو "منہاجِ محمدیؐ کانفرنس" ۲۱/ مارچ کو منعقد ہو گی جس کے لئے خصوصی اہتمام پیش نظر ہے۔ ان کانفرنسوں کی باتصویر رپورٹیں "ندائے خلافت" میں شائع کی جائیں گی، تاہم ارادہ ہے کہ ان

کانفرنسوں کی ایک جامع رپورٹ اپریل کے میثاق میں ہدیہ قارئین کردی جائے گی۔

☆ ☆ ☆

ملی و سیاسی اعتبار سے گزشتہ ماہ وزیر اعظم بھارت اٹل بہاری واجپائی کا دورۂ پاکستان غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے حوالے سے پاک بھارت تعلقات پر بحث اور اظہارِ خیال کا معاملہ نہایت شدت کے ساتھ گرم ہوا۔ امیر تنظیم اسلامی نے ۱۹ فروری کے خطاب جمعہ میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے حالات کا جو تجزیہ پیش فرمایا وہ اس درجہ جامع اور حقیقت پسندانہ تھا کہ اس کی تلخیص کو' جو ندائے خلافت کے لئے مرتب کی گئی تھی' پاکستان کے تمام چوٹی کے روزناموں نے' جن میں روزنامہ نوائے وقت' جنگ' خبریں اور روزنامہ پاکستان شامل ہیں' اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ وقت کے اہم ترین اور نازک ترین موضوع پر محترم ڈاکٹر صاحب کے اس فکر انگیز خطاب کو زیر نظر شمارے میں بھی "تذکرہ و تبصرہ" کے عنوان سے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے ـــــ ۲۶/ فروری کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم نے بعض دیگر اہم قومی و دینی امور پر بھی اظہار خیال فرمایا ہے۔ جن میں چین کی جانب سے پاکستان کو دفاعی معاہدہ کی پیشکش' شریعت ایپلٹ بینچ کے حالیہ جرأت مندانہ فیصلے اور واجپائی کی آمد پر جماعت اسلامی کے احتجاجی مظاہرے پر نہایت متوازن تبصرہ بھی شامل ہے۔ اس خطاب کا پریس ریلیز بھی زیر نظر شمارے میں شامل کردیا گیا ہے۔ OO

انتقالِ پُرملال

میثاق کے مستقل رکن ادارۂ تحریر اور ہمارے قابل احترام بزرگ شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کی بڑی صاحبزادی اور رفیق تنظیم نعیم الطاف کی والدہ محترمہ طاہرہ خاتون گزشتہ ہفتے کراچی میں انتقال کر گئیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت میں ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں : اللّٰھم اغفرلھا وارحمھا وادخلھا فی رحمتک وحاسبھا حسابا یسیرا (آمین)

ہم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کے لئے بھی دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس صدمے کو صبر اور استقامت کے ساتھ جھیلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین یارب العالمین)---(ادارہ)

سلطنتِ خداداد پاکستان
خودکُشی کی راہ پر؟

پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے ایک فکر انگیز خطاب

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۱۹/ فروری کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

مرتب : نعیم اختر عدنان

خطبۂ مسنونہ ' تلاوتِ آیات اور ادعیۂ ماثورہ کے بعد فرمایا :

پاکستان اور بھارت کے مابین مفاہمت اور دوستانہ تعلقات کا قیام اِس وقت ملکی سطح پر بحث و مباحثہ کا اہم ترین موضوع بن چکا ہے۔ موجودہ حکومت نے پہلے سے جاری کرکٹ ڈپلومیسی کو نہ صرف جاری رکھا ہوا ہے بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر "بس ڈپلومیسی" کا بھی آغاز کر دیا ہے۔ اس کا نقطۂ عروج بھارتی وزیر اعظم کی پاکستان یاترا ہے جو بلاشبہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ پاکستان اور بھارت کے مابین تعلقات کے حوالے سے پوری قوم دو طبقات میں منقسم ہو چکی ہے۔ ایک طرف حکومت وقت ہے' جو مسلم لیگ پر مشتمل ہے' اس کے پاس کارکنوں کا بڑا حلقہ موجود ہے۔ پھر پارلیمانی اپوزیشن ہے جو پیپلز پارٹی پر مشتمل ہے۔ پاک بھارت تعلقات کے حوالہ سے اِس وقت پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ دونوں میں گٹھ جوڑ ہو چکا ہے' گویا اس حوالے سے حکمران اور اپوزیشن دونوں کی پالیسی یکساں ہے' لہٰذا یہ دونوں جماعتیں عملاً ایک فریق بن چکی ہیں۔

دوسرے فریق میں اکثر و بیشتر ملک کی دینی و مذہبی جماعتیں شامل ہیں' جن کی نمائندگی یا سربراہی اس وقت جماعت اسلامی کر رہی ہے' البتہ ان دینی جماعتوں میں سے ایک جماعت یعنی جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمن گروپ) اس گروپ میں شامل نہیں ہے۔

روزنامہ نوائے وقت اگرچہ ایک قومی روزنامہ ہے مگر در حقیقت یہ ایک ادارہ ہے' جسے محض ایک اخبار قرار دینا درست نہ ہو گا۔ نظریہ پاکستان کا سب سے اولین' قدیم ترین اور سب سے بڑھ کر پرچارک اور علمبردار نوائے وقت ہی ہے۔ نوائے وقت نے نہ صرف تحریک پاکستان میں بڑا اہم اور گراں قدر کردار ادا کیا' بلکہ قیام پاکستان کے بعد بھی نوائے وقت کا کردار نظریۂ پاکستان کے حوالے سے نہ تو کبھی مشکوک ہوا اور نہ کبھی مبہم رہا۔ دو قومی نظریئے پر نوائے وقت کا موقف بڑا اٹل اور دوٹوک رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حوالے سے نوائے وقت نے کبھی کسی لچک کا مظاہرہ نہیں کیا۔ چنانچہ یہ محض ایک اخبار ہی نہیں بلکہ ایک مکتبۂ فکر کی حیثیت رکھتا ہے۔ نوائے وقت نے واجپائی کی آمد کے حوالے سے اپنی ۱۶/ فروری کی اشاعت میں جو اداریہ تحریر کیا تھا' اُسے جماعت اسلامی کی طرف سے دو لاکھ کی تعداد میں خصوصی اہتمام کے ساتھ شائع کر کے لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ گویا اس مسئلے پر دینی جماعتیں اور نوائے وقت "یکجان" ہو گئے ہیں۔ ملک کی بعض اہم شخصیات بھی اسی مکتبۂ فکر میں شامل ہیں' جن میں جنرل (ر) حمید گل کی شخصیت سب سے نمایاں ہے۔ جنرل صاحب صوم و صلوٰۃ کے پابند مسلمان ہیں۔ ان کی حب الوطنی' قوم سے محبت اور ملک سے وفاداری ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ۱۶/ جنوری کو جنرل حمید گل کا جو طویل مقالہ "نوائے وقت" سمیت کئی ایک اخبارات میں شائع ہوا اس میں جنرل حمید گل نے قومی و ملی غیرت و حمیت کو بڑی دل سوزی سے للکارا ہے۔ ایک پکار اور دہائی ہے جو پاکستان کی بقا اور اس کے استحکام کے حوالے سے ان کے دل سے نکلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بہرکیف دینی جماعتوں' نوائے وقت اور جنرل (ر) حمید گل پر مشتمل مکتبۂ فکر کے مطابق بھارت سے مفاہمت اور دوستانہ تعلقات کی کوشش ۸۰ ہزار شہدائے کشمیر کے خون سے غداری کے مترادف ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ کشمیریوں نے حق خود ارادیت کے حصول کے لئے جو قربانیاں دی ہیں' وہ دنیا کی کسی دوسری قوم سے کم نہیں ہیں۔ آزادی کشمیر کی تحریک میں شہداء کے خون کے ساتھ ساتھ ہزاروں کشمیری خواتین کی عصمتیں بھی لٹ چکی ہیں۔ چنانچہ بھارت سے مفاہمت کشمیری مسلمانوں کے خون سے بھی بے وفائی ہے اور کشمیری خواتین کی

عصمتوں کی پامالی سے بھی غداری ہے۔ مزید یہ کہ بابری مسجد کی پامالی اور شہادت سے بھی پہلو تہی اور اعلانِ براءت ہے۔ اس لئے کہ بی جے پی ہی نے بابری مسجد کو شہید کیا تھا' اب اسی جماعت کے رہنما کے استقبال کی تیاریاں بڑی دھوم دھام سے ہو رہی ہیں۔ ۲۰/ فروری کو بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کو خوش آمدید کہا جائے گا' اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے جائیں گے اور اس کے اعزاز میں دعوتیں سجائی جائیں گی۔

حکومت کی اس پالیسی کے بارے میں بجا طور پر گمان ہو رہا ہے کہ اس نے کشمیر پر "کیمپ ڈیوڈ" یا "اوسلو" طرز کا کوئی خفیہ معاہدہ کر لیا ہے۔ جنرل (ر) حمید گل کے خیالات و جذبات سے میں خود بہت متاثر ہوا ہوں۔ جنرل حمید گل کی یہ قومی للکار پاکستان کی قومی تاریخ کے ۳۴ سال قبل وقوع پذیر ہونے والے ایک واقعے سے بہت مشابہ ہے جب جنرل ایوب خان کے دور میں تاشقند کا معاہدہ ہوا تھا' جسے تاشقند کے راز کی حیثیت سے بھٹو صاحب نے بہت اچھالا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بھٹو صاحب کے تھیلے سے تاشقند کی بلی کبھی باہر نہ آ سکی! بہرحال اُس وقت بھٹو نے پاکستان اور پاکستانیت کے حوالے سے جو پکار لگائی تھی' اسی کی صدائے بازگشت جنرل حمید گل کے خیالات میں نظر آ رہی ہے۔ جنرل صاحب نے علامہ اقبال کے ایک مصرع کو اپنے مضمون کی اہم بحث کا عنوان بنایا ہے کہ "حیاتِ جاوداں اندر ستیزاست" کہ حیاتِ ابدی تو معرکہ آرائی' جنگ اور تصادم میں پنہاں ہے نہ کہ مصالحت میں! گویا کشاکش جاری رہے گی تو ہم زندہ رہیں گے۔ اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ بھارت کے ساتھ تصادم اور کشاکش ہی میں پاکستان کی بقا پوشیدہ ہے' جبکہ بھارت کے ساتھ مفاہمت و مصالحت اور دوستی میں پاکستان کیلئے کئی طرح کے اندیشے اور خطرات پنہاں ہیں۔

بھارتی وزیر اعظم کی آمد پر جماعت اسلامی اپنے احتجاج کو اگر کسی اسلامی انقلاب کی تمہید سمجھتی ہے تو یہ رائے صحیح نہیں ہے' اس لئے کہ حقیقی اسلامی انقلاب کیلئے جب بھی احتجاجی تحریک برپا ہو گی تو کسی دینی مسئلہ پر۔ مگر موجودہ صورتحال میں ایسا نہیں ہے۔ بھارت کے ساتھ مصالحت اور مفاہمت دینی مسئلہ نہیں ہے اور پھر اسے حرام یا ناجائز بھی قرار نہیں دیا جا سکتا! ایسی احتجاجی تحریک بھی صرف اسی صورت میں کامیابی سے ہمکنار ہو

سکتی ہے جب کہ وہ اس وقت شروع کی جائے جب مخلص اور تربیت یافتہ کارکنوں کی ضروری تعداد مہیا ہو چکی ہو۔ ایسی جماعت کے ارکان اپنی ذات پر اور اپنے گھر میں اللہ کا دین نافذ کر چکے ہوں کہ ع "شرط اول قدم این است کہ مجنوں باشی"۔ ان مراحل کو طے کئے بغیر نفاذ اسلام کے نعرے بلند کرنا اور اس کیلئے تحریکیں چلانا' اسلام کی خدمت کی بجائے اسے بدنام کر دینے کا موجب قرار پائے گا۔

ان شرائط کو پورا کئے بغیر چلائی جانے والی تحریک فساد تو پیدا کر سکتی ہے مگر کوئی مثبت اور نتیجہ خیز تبدیلی نہیں لا سکتی۔ اگر کسی شخص کی یہ رائے ہے کہ اس کے پاس لاکھوں کی تعداد میں تربیت یافتہ کارکن موجود ہیں تو پھر اسے مزید تاخیر کی بجائے تحریک کا آغاز کر دینا چاہئے' لیکن یہ تحریک کسی وقتی ایشو پر نہ اٹھائی جائے بلکہ اس کے لئے کسی دینی مسئلہ ہی کو بنیاد بنایا جائے۔ مثال کے طور پر سودی نظام کے خلاف تحریک منظم کی جا سکتی ہے کہ یہ ایک خالص دینی مسئلہ ہے۔ اسی طرح بے پردگی اور فحاشی و عریانی کا مسئلہ بھی کم اہم نہیں ہے۔ کسی وقتی قومی یا سیاسی مسئلے کی بجائے خالص دینی مسئلہ پر اگر تحریک منظم کی جائے تو ان شاءاللہ ایسی تحریک کا تنظیم اسلامی بھی بھرپور ساتھ دے گی۔

اصل غور طلب بات یہ ہے کہ آخر کیمپ ڈیوڈ اور اوسلو طرز کے معاہدوں پر ہم کیوں مجبور ہوئے ہیں؟ کیا مصری قوم بزدل تھی؟ کیا جمال عبدالناصر ہی وہ شخص نہیں تھا جس نے انگریزوں کو بحیرۂ روم میں اٹھا کر پھینک دیا تھا۔ اسرائیل کے ساتھ ۶۷ء کی جنگ بھی مصر ہی نے شروع کی تھی۔ اگرچہ اس جنگ میں مصر کو شرمناک ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا' لیکن اس ہزیمت اور شکست کے بدنما داغ کو مصریوں نے ۷۳ء کی جنگ رمضان میں اپنی پیشانی سے دھو دیا۔ امریکہ اسرائیل کی مدد کے لئے براہِ راست نہ کود پڑتا تو مصر اسرائیل کا تیا پانچہ کر دیتا۔ اسی طرح کا معاملہ پی ایل او کی تحریک کا ہے۔ مردوں کے ساتھ فلسطینی عورتیں بھی اس تحریک میں شریک رہیں۔ ایک وقت میں فلسطینی تحریک آزادی پوری دنیا کیلئے خوفناک دہشت کی علامت بن گئی تھی۔ لیکن ان عظیم قربانیوں کے باوجود انہیں پسپائی اختیار کر کے کیوں "سجدہ سہو" کرنا پڑا؟ ایسا کیوں ہوا؟ ـــــ سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے بعد اللہ اور اس کے دین سے

وفاداری کا اظہار کر کے اپنا قبلہ درست نہیں کیا۔ بلکہ کسی نے اپنا قبلہ وکعبہ واشنگٹن کو بنایا تو کسی نے اپنا ملجا و ماویٰ ماسکو کو بنالیا۔ لیکن اگر ہم نے اللہ' رسول ﷺ اور اسلام کے ساتھ وفاداری کا رشتہ استوار کیا ہوتا تو پھر ہمیں لازماً اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ ﴾

(محمد : ۷)

"اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ (یقینی طور پر) تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا"

مگر ہم نے اس فرمانِ خداوندی پر عمل پیرا ہونے کی بجائے اللہ کی نافرمانی اور بغاوت کا راستہ اختیار کر لیا۔ تمام مسلمان ممالک نے اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں کا قرب حاصل کرنے کیلئے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر رکھی ہیں۔ ہم نے اجتماعی سطح پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کو نافذ نہیں کیا اور نہ ہی ہمارے معاشرے میں اسلامی تہذیب کا کہیں وجود نظر آتا ہے۔ ہمارے بالادست اور اونچے طبقات کی عظیم اکثریت آج بھی اُسی مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے جس میں ہندو سکھ اور عیسائی رنگے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے ہمارے معاشرے میں اور ہندو معاشرے میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ تہذیب وہی ہے' تمدن وہی ہے' اقدار وہی ہیں' سوچ کا انداز وہی ہے ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

سورۃ الحج میں فرمایا گیا :

﴿ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ ﴾ (آیت ۴۰)

"اللہ لازماً ایسے لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے (یعنی اس کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کریں گے) اللہ تو قوی اور زبردست ہے"۔

اللہ تعالیٰ جس قوم کی تائید اور پشت پناہی پر آجائے پھر ایسی قوم کو کون شکست دے سکتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا :

﴿ اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ ۚ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِنْ بَعْدِہٖ ۗ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ (آیت ۱۶۰)

"(اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو پھر اس کے سوا کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے۔ اور اہل ایمان کو تو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے"۔

یہ تمام آیات ہمیں بتا رہی ہیں کہ آج اللہ کی مدد ہماری پشت پر نہیں ہے اور دین کے ساتھ غداری کی پاداش میں ہم اسی طرح ذلت و مسکنت کے عذابِ الٰہی سے دوچار ہیں جس طرح ہم سے پہلے بنی اسرائیل ذلت و مسکنت کے اس عذابِ خداوندی میں گرفتار رہے ہیں۔ ہم بحیثیت قوم کم ہمتی اور بزدلی کے مرض میں مبتلا ہیں۔ سیدھی سی بات کہ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ کشمیر ہماری شہ رگ ہے اور ہر اصول اور قانون کے تحت کشمیر پاکستان کا حصہ ہے' تو پھر ہمیں اپنا یہ جائز حق لینے اور اپنی شہ رگ کو دشمن کے قبضہ سے چھڑانے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگانی چاہئے تھی۔ اس میں کسی مصلحت کا مظاہرہ کرنا صریح بزدلی نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم نے ۶۵ء میں جرأت مندانہ قدم اٹھایا تھا' جب ہم نے اپنے تربیت یافتہ کمانڈوز کشمیر میں داخل کر دیئے تھے۔ جواب میں ہم پر ۶۵ء کی جنگ مسلط کی گئی تھی۔ چونکہ اس وقت کشمیر میں حالات سازگار نہیں تھے' اس لئے ہم اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔ اس کے بعد سے پاکستان پورے طور پر امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بن چکا ہے اور امریکہ وہ دھوکہ باز اور منافق ملک ہے جس نے ہمیں ہر موقع پر دھوکہ دیا۔ ۷۱ء کی ذلت آمیز شکست کے داغ دھونے سے ہم ابھی تک قاصر ہیں۔ ۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان کا سانحہ تو جو ہوا' سو ہوا۔ اُس وقت مغربی پاکستان کا بچ جانا بھی غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت کے امریکی صدر نکسن کے دل میں اللہ نے نیکی ڈالی کہ اس نے ہاٹ لائن پر روسی وزیراعظم کوسیجن سے بات کی اور اس نے اندرا گاندھی کو یکطرفہ جنگ بندی کا حکم دیا۔ بہرحال ۷۱ء کی شرمناک شکست کا داغ ابھی تک ہماری پیشانی پر موجود ہے۔ دوسری جانب کشمیری مسلمانوں کا خون بھی بہہ رہا ہے' مسلمان خواتین کی عصمتیں لٹ رہی ہیں اور مسلمانوں کی بستیاں جلائی جا رہی ہیں مگر پاکستان میں یہ حوصلہ اور جرأت نہیں

ہے کہ وہ بھارت سے یہ کہہ سکے کہ کشمیر میں ظلم و ستم کا بازار اب بند کردو' ہم کشمیریوں پر ہونے والے ظلم و ستم کو مزید برداشت نہیں کرسکتے! ہم میں یہ جرأتِ رندانہ موجود نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ نہیں ہے۔

موجودہ حالات میں بھی ہم قومی سطح پر اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی اور دھوکہ بازی کا معاملہ کر رہے ہیں۔ ہم دنیا کی وہ واحد مسلمان قوم ہیں جنہوں نے آزادی کی تحریک میں اسلام کا نام لیا تھا' اللہ تعالیٰ سے دین کے نفاذ کا وعدہ کیا تھا کہ ہم پاکستان میں اسلام کے اصولِ حریت و اخوت اور مساوات پر مبنی نظام کو نافذ کرکے اس کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ قومی سطح پر اس وعدۂ الٰہی کی خلاف ورزی کے جرم میں نفاق کا مرض ہم پر مسلط کردیا گیا۔ اسی نفاق کی ایک شکل "نفاق باہمی" ہے کہ ایک قوم اب کئی قومیتوں میں منقسم اور تحلیل ہو چکی ہے۔ نفاق کی ایک اور قسم اخلاق و کردار کی سطح پر ہمارے اندر پیوست ہو چکی ہے۔ چنانچہ جھوٹ' وعدہ خلافی' خیانت اور غبن جیسی برائیاں ہمارا قومی کلچر بن چکی ہیں۔ ہماری اس منافقت کا ایک بڑا مظہر ملک کا دستور بھی ہے۔ مدینہ کے منافق بھی زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرتے تھے' اللہ اور رسولؐ سے وفاداری کا دم بھرتے تھے مگر ان کے دل ایمان اور یقین کی دولت سے خالی تھے۔ اسی طرح ہم نے دستور میں اللہ کی حاکمیت طے تو کردی ہے لیکن اسے غیر مؤثر کرنے والی دفعات بھی دستور میں داخل کر رکھی ہیں۔ قومی سطح پر اس منافقت اور دھوکہ بازی کی سزا ذلت اور بزدلی کی صورت میں ہم بحیثیت قوم بھگت رہے ہیں۔ اس ذلت و بزدلی کا علاج محض احتجاجی مظاہروں اور چیخ و پکار سے نہیں ہوگا۔ لتا منگیشکر بھی آئیں گی' کرکٹ اور ہاکی ٹیموں کے دو طرفہ دورے بھی ہوں گے' واجپائی بھی آئیں گے' آپ کس کس معاملے میں احتجاج کریں گے کہ یہاں تو "تن ہمہ داغ داغ شد' پنبہ کجا کجا نہم" والا معاملہ ہے۔

مصر کے بعد اب پاکستان کیوں کیمپ ڈیوڈ طرز کا معاہدہ کرنے پر مجبور ہوا۔ اس کا سبب میری گفتگو میں سامنے آچکا ہے۔ پوری قوم اس کی ذمہ دار ہے' ہم کسی ایک شخص کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ میاں نواز شریف محب وطن ہیں' وہ پاکستان کے دشمن نہیں۔ بے نظیر کو تو بہت سے لوگوں نے ملک کیلئے سیکورٹی رِسک قرار دیا تھا مگر نواز شریف

کے بارے میں ایسا تاثر موجود نہیں ہے۔ نواز شریف ایک سیاستدان کی حیثیت سے موجود الوقت حالات میں ممکن العمل حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں۔ میں محب وطن حلقوں اور مذہبی حلقوں کی عمومی رائے سے مختلف بلکہ مخالف رائے کا اظہار کر رہا ہوں۔ میرے نزدیک اس وقت کی معروضی صورتحال میں کشمیر کے مسئلہ کا حل اسی طریقے سے ہو گا جس پر موجودہ حکومت عمل پیرا ہے' اس لئے کہ اس کے سوا اور کوئی راستہ موجود نہیں ہے۔ بھارت سے کشمیر کو بزورِ شمشیر حاصل کرنے کی ہم میں ہمت ہی نہیں۔ اسی طرح اگر یہ کسی کا خیال ہے کہ بھارت کی حکومت یا قیادت کشمیر کو طشتری میں رکھ کر ہمارے سامنے پیش کر دے گی تو اس کو اپنی عقل کا ماتم کرنا چاہئے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ بھارت ہمیشہ سے کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ سمجھتا ہے۔ چنانچہ ۶۵ء میں کشمیر میں مداخلت کو بھارت نے اپنے اوپر حملہ تصور کیا تھا۔ اسی طرح امریکہ بھی' جو ہمارے حکمرانوں کا مربی' ملجا و ماویٰ اور قبلہ و کعبہ ہے' ہماری ہر طرح کی منت سماجت کو ٹھکرا کر ثالثی کا کردار ادا کرنے سے معذوری کا اظہار کر رہا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کیلئے امریکی صدر پر وزیراعظم نواز شریف نے کئی مرتبہ زور دیا مگر بھارت چونکہ امریکہ کو ثالث بنانے پر آمادہ نہیں ہے لہٰذا نواز شریف کو امریکہ نے صاف جواب دے دیا۔ جہاں تک اقوام متحدہ کے ذریعے مسئلہ کشمیر کو حل کرانے کا تعلق ہے' میرے نزدیک یہ سب سے خطرناک راستہ ہے۔ اس لئے کہ اگر اقوام متحدہ کی منظور کردہ قراردادوں کے مطابق کشمیر میں استصوابِ رائے کرایا گیا تو پاکستان کو آزاد کشمیر' گلگت' چترال اور بلتستان کے شمالی علاقہ جات بھی خالی کر کے اقوام متحدہ کے حوالے کرنا پڑیں گے' جبکہ دوسری طرف بھارت کو حق حاصل ہو گا کہ وہ اپنے زیر قبضہ کشمیر میں کچھ نہ کچھ افواج رکھ سکے گا۔ اس طرح کشمیر اقوام متحدہ کی تحویل میں آ جائے گا۔ کشمیر پر پاکستان اور بھارت کی باہمی لڑائی سے سارا فائدہ امریکی بندر کو پہنچ جائے گا اور بلیوں کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ یوں کشمیر کی شکل میں ایک الگ ریاست قائم ہو گی جو بین الاقوامی سازشوں کا مرکز و محور بن جائے گی۔ اس سے گویا ایشیا کے وسط میں ایک نئے اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ کشمیر کی ریاست کی شکل میں ایک آزاد و خود مختار ریاست کے قیام سے دنیا کی واحد اور سپریم طاقت امریکہ کو یہ سہولت حاصل ہو

گی کہ وہ "دنیا کی چھت" پر بیٹھ کر پاکستان' بھارت' چین اور ترکستانی ریاستوں پر ہر وقت نظر رکھ سکے گا۔ گویا کشمیر کی علیحدہ اور خود مختار ریاست اگر قائم ہو گئی تو اسے امریکی اڈے کی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ اس تناظر میں میری رائے میں بہترین راستہ وہی ہے جسے نواز شریف حکومت نے اختیار کیا ہے کہ مسئلہ کشمیر کو دو طرفہ مذاکرات کے ذریعے حل کیا جائے۔ ویسے بھی شملہ معاہدہ کی رو سے پاکستان اس بات کا پابند بھی ہے۔ اس طرح کچھ لو اور کچھ دو کی پالیسی اپنا کر ہی یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کیلئے دو طرفہ مذاکرات سے پہلے دونوں ممالک میں مفاہمت و مصالحت اور تجارت و آمد و رفت کے شعبہ میں پیش رفت ضروری ہے۔ اس کے بغیر بھارتی رائے عامہ کو متاثر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ بھارت کی حکومت خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو' اپنے ملک کی رائے عامہ کو نظر انداز کر کے مسئلہ کشمیر حل نہیں کر سکتی۔ اس لئے میں دو ٹوک انداز میں کہہ رہا ہوں کہ ہمیں ہندو بنئے کو باہمی تجارت کی بحالی کے ذریعے کچھ نہ کچھ رشوت لازماً دینا ہو گی' شاید کہ ہندو بنیا اپنا فائدہ دیکھ کر کشمیر کے مسئلہ پر لچک کا مظاہرہ کر دے!

میرے نزدیک مثالی اور آئیڈیل صورتحال تو یہی ہے کہ مسئلہ کشمیر کو ہندوستان کی تقسیم کے نامکمل ایجنڈے کی حیثیت سے حل کیا جائے۔ یعنی کشمیر کا مسلم اکثریتی علاقہ پاکستان کے ساتھ اور ہندو اکثریتی علاقہ بھارت کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ وادی کی حد تک ریفرنڈم بھی کرایا جا سکتا ہے۔ تاہم اگر مقبوضہ وادی کے لوگوں کو تھرڈ آپشن کا اختیار بھی دے دیا جائے تو اس میں بھی قطعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی مسئلہ کشمیر کا بہترین حل اور قابل عمل راستہ ہے۔ پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے پاکستان کے معمار' بانی اور مؤسس قائداعظم کی ایک رائے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ قائداعظم سے جب پوچھا گیا کہ ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستان اور بھارت کے باہمی تعلقات کیسے ہوں گے تو قائداعظم نے فرمایا تھا کہ دونوں ممالک کے تعلقات بالکل ایسے ہی ہوں گے جیسے امریکہ اور کینیڈا کے درمیان موجود ہیں۔

یہ تمام زمینی حقائق اپنی جگہ ہیں' لیکن اس سب کے باوجود میری پختہ رائے یہ ہے کہ بحالاتِ موجودہ بھارت سے مفاہمت' مصالحت اور دوستانہ تعلقات میں پیش رفت' ثقافتی

و تجارتی سطح پر تعلقات کا قیام اور خیر سگالی کے مظاہرے پاکستان کیلئے قومی سطح پر خود کشی کے مترادف ہیں۔ وہ اس لئے کہ ہم نے پاکستان کے اسلامی تشخص کو مضبوط اور مستحکم نہیں کیا اور اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو قائم کرنے کی بجائے اُس سرمایہ دارانہ سیکولر نظام کو اختیار کرنے کو ترجیح دی جو ساری دنیا میں مروج ہے۔ اس صورتحال میں چونکہ پاکستان کی نسبت بھارت سیکولر اقدار کی حامل عالمی تہذیب و ثقافت سے زیادہ ہم آہنگ ہے' لہٰذا بھارت سے مفاہمت اور تجارتی و ثقافتی میدان میں تعلقات اگر بحال کر لئے گئے تو پھر چند سال کے اندر اندر پاکستان عملاً بھارت میں مدغم ہو جائے گا۔

نصف صدی کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی آج ہمارے ملک میں جاگیرداری اور سود پر مبنی استحصالی اور ظالمانہ نظام مسلط ہے۔ اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کیلئے پاکستان کے حصول کی خواہش کی پشت پر ایک احیائی جذبہ کارفرما تھا جسے یکسر نظرانداز کر کے ہم نے بحیثیت قوم اللہ سے کئے گئے وعدہ سے انحراف اور اس کے دین سے بے وفائی کا ارتکاب کیا ہے۔ قیام پاکستان کا دوسرا محرک ہندو کا خوف اور دشمنی کا جذبہ تھا۔ قیام پاکستان کا یہ اہم محرک آج ہماری نوجوان نسل کے سامنے نہیں ہے۔ وہ بزرگ نسل جو ہندو ذہنیت کو جاننے اور پہچاننے والی تھی اس کی اکثریت اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ دوسری جانب بھارتی ریڈیو' ٹیلی ویژن' ثقافتی طائفے اور دانشور اور فنکار ہر طرف "محبت" کے گیت گاتے نظر آتے ہیں اور بظاہر محسوس ہو رہا ہے کہ بھارتی عوام بقول جگر ہمارے لئے ع "جگر وہ تو سرتاپا محبت ہی محبت ہیں" کا مصداق بن چکے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ پاکستان میں بھی وہی سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے جو ہندوستان میں مروج ہے۔ کاروبار کے طور طریقے بھی ایک جیسے ہیں' سودی نظام بھارت میں بھی رائج ہے اور پاکستان میں بھی۔ بلکہ ایک اعتبار سے بھارت نے پاکستان کے مقابلے میں کافی بڑی پیش رفت کی ہے کہ اس نے آزادی کے بعد جاگیرداری نظام کا ہمیشہ کیلئے قلع قمع کر دیا مگر پاکستان پر ابھی تک یہی طبقہ مسلط ہے۔ اسی طرح سیکولر پارلیمانی نظام جو بھارت میں قائم ہے وہی نظام پاکستان نے بھی اپنا رکھا ہے۔ چنانچہ پاکستان کے اعلیٰ طبقات کا رہن سہن' تہذیب و تمدن اور سماجی اقدار وہی ہیں جو ہندوؤں کے اعلیٰ طبقات کی ہیں۔ بے حیائی اور عریانی جیسی کچھ

بھارت میں ہے' وہی نقشہ آپ کو پاکستان میں بھی نظر آتا ہے۔ ان حالات میں اگر پاکستان نے بھارت کے ساتھ اپنے تعلقات اور روابط کے فلڈ گیٹ کھول دیئے تو پاکستان کا نظریاتی تشخص دم توڑ جائے گا۔ اس لئے کہ سونیا گاندھی کے بقول بھارت ثقافتی میدان میں پہلے ہی پاکستان کو فتح کر چکا ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ بھارتی جنتا پارٹی' راشٹریہ سیوک سنگھ (R.S.S) کا سیاسی ونگ ہے۔ اس جماعت کے اعلانیہ مقاصد میں برصغیر سے (معاذ اللہ) اسلام کے "ناپاک" وجود کا خاتمہ اور اکھنڈ بھارت کا قیام شامل ہے۔ گو اس وقت سیاسی مصلحت کے تحت پاکستان کو میٹھا زہر دیا جا رہا ہے۔ بھارتی وزیر داخلہ ایل کے ایڈوانی کی طرف سے پاک بھارت کنفیڈریشن کی تجویز بھی اسی ذہن کی عکاسی ہے۔ اس سے شدید اندیشہ ہے کہ پاکستان جو احیائے اسلام کے عظیم تر مقصد کیلئے قائم ہوا تھا' اپنا تشخص کھو دے گا اور احیائے اسلام کا یہ خواب دم توڑ جائے۔ اس صورتحال پر قرآن مجید کی یہ آیات پوری طرح صادق آتی ہیں کہ

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ... ﴾

"اے نبی انہیں اس شخص کا قصہ سنایئے جسے آیاتِ الٰہی سے نوازا گیا تھا مگر وہ ان سے بھاگ نکلا' اگر ہم چاہتے تو اسے اور سربلندی کا مقام عطا فرماتے مگر وہ اپنی خواہش کی پیروی میں پستی کی طرف دھنستا چلا گیا..."

اللہ فرماتا ہے کہ یہ کسی ایک آدمی کی مثال نہیں بلکہ ﴿ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ "یہ مثال اس قوم کی ہے جو آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرے"۔ اس وقت ہم یہی کچھ تو کر رہے ہیں۔ مگر میرا دل یہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہو گا' کوئی معجزہ رونما ہو گا اور پاکستان اپنے موجودہ طرز عمل کی بجائے اپنے اصل مقصد کی جانب لازماً پیش رفت کرے گا۔ چنانچہ حالات میں مثبت تبدیلی کا واحد راستہ ہے کہ میاں نواز شریف نفاذ اسلام کے ضمن میں اپنے موجودہ طرز عمل پر نظر ثانی کرتے ہوئے اللہ کے حضور توبہ کریں اور دستور سے منافقت کے خاتمہ کیلئے بلا تاخیر قرآن و سنت کو ملک کا سپریم لاء قرار دیں اور

ساتھ ہی ساتھ سودی نظام کا بھی خاتمہ کریں۔ ان دو اقدامات کے نتیجے میں ہمیں اللہ کی نصرت و حمایت حاصل ہو جائے گی۔ ملک کی دینی جماعتیں پاور پالیٹکس کی سیاست سے توبہ کرکے نفاذِ اسلام کے عظیم تر نصب العین کیلئے متحدہ اسلامی محاذ قائم کرکے نظام کی تبدیلی کی تحریک منظم کریں۔ جماعت اسلامی وقتی مسائل پر جماعت کے مخلص کارکنوں کے مالی وسائل اور توانائیاں صرف کرنے کی بجائے سودی نظام کے خاتمے کو "ایشو" بنا کر تحریک منظم کرے تو اس میں تنظیم اسلامی بھی جماعت اسلامی کے شانہ بشانہ ہو گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین OO

امیر تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد کے دو خطابات پر مشتمل

عیسائیت اور اسلام

کتابی شکل میں دستیاب ہے
عمدہ طباعت، صفحات ٥٦ قیمت ٨ روپے
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

امیر تنظیم اسلامی کا ایک نہایت جامع درس قرآن
بعنوان:

اطاعت کا قرآنی تصور

کتابی شکل میں دستیاب ہے
صفحات ٤٤، قیمت ٧ روپے
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ایک ایسے **مُتَّحدہ اسلامی اِنقلابی محاذ** کی تشکیل کے ضمن میں جو پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے مروجہ سیاسی طریقوں کو چھوڑ کر خالص **"مَنہجِ انقلابِ نبوی"** کے مطابق جدوجہد کرے،

پاکستان کے اہم شہروں میں اِن شاءَ اللّٰہ حسب ذیل پروگرام کے تحت

منهاج مُحمّدیؐ کانفرنسیں

منعقد ہوں گی۔ غلبۂ اسلام کے خواہش مند حضرات جوق در جوق شرکت فرمائیں:

✪ اتوار ٢١/ فروری پریس کلب ہال، راولپنڈی ✪ اتوار ٢٨/ فروری نشتر ہال، پشاور
✪ ٧/ مارچ: فیصل آباد ✪ ١٤/ مارچ: کراچی ✪ ٢١/ مارچ: لاہور ✪ ٤/ اپریل: مظفر آباد ✪ ١١/ اپریل: کوئٹہ

الدّاعی الی الخیر **ڈاکٹر اسرار احمد** امیر تنظیم اسلامی

اندرونِ عرب انقلاب کے تکمیلی مراحل

پر نگاہِ بازگشت ـــــ اور

مخالف قوتوں کا آخری قلع قمع

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

(مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن)

فتح مکّہ کے بعد پہلا حج (۸ھ)

فتح مکّہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کا تدبر ملاحظہ کیجئے۔ اگرچہ آپؐ کو یہ پہلے سے اندازہ تھا کہ قریش میں بالکل دم خم نہیں ہے کہ وہ اسلامی فوج کا مقابلہ کر سکیں' ان کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت کا کوئی امکان ہی نہیں تھا' اسی وجہ سے آپؐ نے صلح کی تجدید سے اعراض فرمایا تھا ـــــ لیکن فتح مکّہ کے بعد آپؐ نے ایسا نہیں کیا کہ وہاں کے پورے نظام کو یکسر بدل دیا ہو۔ اس کے بالکل برعکس آپؐ نے ان مختلف ذمہ داریوں کو جو قریش کے مختلف خاندانوں کے سربراہوں کی تحویل میں تھیں انہی کے سپرد رہنے دیا' قطع نظر اس سے کہ وہ ایمان لائے ہوں یا نہ لائے ہوں۔ آپؐ نے وہاں کے انتظامی معاملات کو قطعاً نہیں چھیڑا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے اپنا کوئی امیر حج تک مقرر نہیں کیا کہ اب اس کی سرکردگی میں حج ہو گا' حالانکہ دو ماہ بعد حج ہونے والا تھا۔ بلکہ آپؐ نے نہایت نرم روش اختیار کی اور فتح مکّہ کے بعد ذوالحجہ ۸ھ میں جو پہلا حج آیا وہ حسب سابق مشرکین ہی کے زیر انتظام و انصرام ہوا ـــــ صرف اس فرق کے ساتھ کہ مشرکین اپنے طریقے سے حج کر رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے اُمّتی

موحّدین اسلامی طریق پر حج کر رہے تھے۔

دوسرا حج (۹ھ)

فتح مکّہ کے دوسرے سال ۹ھ میں جب حج کا موقع آیا تو اس میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی شرکت کی اجازت تو برقرار رکھی کہ وہ بھی حج کریں اور مسلمان بھی حج کریں، لیکن حج کے جملہ انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ حضور ﷺ حج کے لئے خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج بنا کر ان کے ہمراہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک قافلۂ حج کے لئے بھیج دیا۔

مشرکینِ عرب کو آخری تنبیہہ

حج کے لئے قافلہ روانہ ہو چکا تھا کہ چند دنوں بعد ہی سورۃ التوبہ کی پہلی چھ آیات نازل ہوئیں، جو دراصل اندرون عرب انقلابِ محمّدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل کے اعلان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ درحقیقت جزیرہ نمائے عرب میں شرک کے قطعی اور مکمل قلع قمع کا آخری اقدام یہی ہے جو ان آیات میں بیان ہوا۔

سورۂ توبہ کے ساتھ بسم اللہ کا نہ ہونا

یہ بات تو ہر وہ شخص جانتا ہے جو قرآن مجید سے ادنیٰ شغف اور تعلق بھی رکھتا ہو کہ سورۃ التوبہ سے پہلے آیۂ بسم اللہ لکھی ہوئی نہیں ہے۔ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے یہ واحد سورت ہے کہ جس کے آغاز میں بسم اللہ نہ لکھی جاتی ہے نہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ ـــــ مختلف لوگوں نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں ـــــ اصل وجہ تو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس سورۃ کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھوائی۔ اس کے سوا کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔ دلیل تو صرف حضورؐ کا فرمان ہے۔ لیکن اس دلیل کی حکمت معلوم کرنے کے لئے، اس کی توجیہہ میں مختلف آراء ہو سکتی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ تلوار

ہاتھ میں لے کر نازل ہوئی ہے' یہ مُخزِیَہ ہے' یہ مُشَرِّدَہ ہے' یہ مُفْضِحَہ ہے۔ یہ تو مشرکین کو فضیحت کرنے والی ہے۔ یہ ان کے لئے دنیا و آخرت کی رسوائی کا اعلان کرنے والی ہے' یہ ان کے آخری استیصال اور بیخ کنی کا فرمان (Extermination Proclamation) لے کر آئی ہے۔ لہٰذا اس کے آغاز میں بسم اللہ کیسے لکھی جائے' جس میں اللہ تعالیٰ کے دو عظیم ترین اسمائے حسنیٰ کے حوالے سے دو ارفع صفات یعنی رحمانیت اور رحیمیت کا ذکر ہے۔ آیتِ بسم اللہ تو رحمتِ الٰہی کا بہت عظیم خزانہ ہے' جبکہ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ کا غیظ و غضب اور انتقامی شان ظاہر ہو رہی ہے ـــــ لہٰذا یہ واحد سورۂ مبارکہ ہے' جس کے آغاز میں آیت بسم اللہ نہیں ہے۔

سورۂ توبہ کی ابتدائی چھ آیات کے مطالب و مفاہیم

سورۃ التوبہ کی پہلی آیت ہے :

﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾

"اعلانِ براءت ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان سب مشرکین کے لئے جن سے (اے مسلمانو!) تم نے معاہدے کئے تھے"۔

اس کی شرح بعد میں آئی ہے کہ جن مشرکین نے معاہدہ کی شرائط اپنی طرف سے پوری کی ہیں تم بھی اپنی طرف سے ان شرائط کو پورا کرو' لیکن اُس مدت تک جس کے لئے معاہدہ ہوا ہے ـــــ اب کسی مشرک قبیلہ کے ساتھ معاہدہ کی تجدید (Renewal) نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اب انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل کا مرحلہ آگیا ہے۔ آگے فرمایا :

﴿ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

"پس (اے مشرکو!) تم لوگ اس سرزمین میں چار مہینے مزید چل پھر لو' اور

جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے' اور یہ کہ اللہ منکرین حق کو رُسوا کرنے والا ہے"۔

چونکہ یہ اَشہرِ حُرم ہیں' ان میں خونریزی ممنوع ہے' لہٰذا تمہیں چار مہینوں کی مہلت ہے۔ لیکن یہ جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور تم وہ صورت دیکھ چکے ہو کہ ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ﴾ کے مصداق باطل تو اب زائل ہو چکا ہے' اس کے لئے اب زوال مقدر ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو رُسوا اور ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔ اور تکمیل کا اعلان تیسری آیت میں ہے : ﴿ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ... ﴾ "یہ اعلانِ عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام نوع انسانی کی طرف حج اکبر کے دن...."

"حج اکبر" کی صحیح نوعیت : "حج اکبر" کے متعلق ہمارے یہاں ایک غلط تصور ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے کہ حج اگر جمعہ کے روز ہو تو وہ "حج اکبر" ہوتا ہے۔ یہ بالکل بے بنیاد اور غلط تصور ہے۔ حج اکبر در حقیقت حج ہی کو کہتے ہیں۔ عرب میں اسلام سے پہلے عمرہ کو "حج اصغر" کہا جاتا تھا۔ اس لئے کہ اس میں قیامِ منیٰ' وقوفِ عرفات' رمی جمرات اور قربانی کو چھوڑ کر دوسرے مناسک جو خالصتاً بیت اللہ سے متعلق ہیں' جیسے احرام' طوافِ قدوم' سعی بین الصفا والمروہ اور طوافِ وداع شامل ہیں۔ چنانچہ عمرہ حج اصغر ہے اور ۹ ذی الحجہ کو وقوفِ عرفات حج اکبر ہے۔ وقوفِ عرفہ کا جمعہ کے دن آ جانا کوئی خصوصی اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن غلط العام کے طور پر یہ بات پھیل گئی ہے کہ وقوفِ عرفہ کا جمعہ کے دن آنا حج اکبر ہے۔

براءت کا اعلانِ عام : فرمایا :

﴿ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ ﴾

"اعلانِ عام ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے لوگوں کے لئے حج اکبر کے دن کہ اللہ اور اس کا رسولؐ مشرکین سے بری الذمہ ہیں۔ اب اگر تم توبہ کرو (یعنی اسلام قبول کرلو) تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے ——— "اور (اے مشرکو!) اب بھی اگر تم نے روگردانی کی تو اچھی طرح جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے"۔ اور (اے نبیؐ) ان کافروں کو آپ دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے۔ سوائے ان مشرکین کے جن سے تمہارے معاہدے ہیں، پھر انہوں نے اپنے عہد کو پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا، تو ایسے لوگوں کے ساتھ جو تمہارا معاہدہ ہے تم اسے مدتِ معاہدہ تک وفا کرو۔ بے شک اللہ متقیوں سے محبت رکھتا ہے"۔

عذابِ استیصال والی آیت : اب پانچویں آیت وہ ہے جو مشرکینِ عرب کے لئے عذابِ استیصال کا اعلان کرنے والی سخت ترین آیت ہے۔ اس سے زیادہ سخت کوئی آیت قرآن مجید میں نہیں ہے ——— اور اس سورۂ مبارکہ کی یہی آیت ہے جس میں تلوار ہاتھ میں لے کر اُترنے والی شان نمایاں نظر آتی ہے۔ فرمایا :

﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾

"پس جب حرمت والے یہ مہینے ختم ہو جائیں تو قتل کرو ان مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ اور ان کو پکڑو، ان کا محاصرہ کرو اور ان کی خوب خبر لینے کے لئے ہر

گھات میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں (یعنی ایمان لائیں) اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ غفور اور رحیم ہے۔"

یہ آیت عام نہیں ہے۔ یعنی یہ دنیا کے تمام مشرکوں کے لئے نہیں ہے' بلکہ یہ صرف جزیرہ نمائے عرب کے اُن مشرکین کے لئے ہے جو نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں وہاں آباد تھے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ ان ہی میں سے تھے۔ ان کی زبان میں قرآن نازل ہوا تھا اور ان پر آخری درجہ میں اتمامِ حجت ہو چکا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ اب بھی اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ یہ بالکل وہی قانون ہے کہ جس قانون کے تحت قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قوم صالحؑ اور قومِ لوطؑ کو ہلاک کر دیا گیا۔ یعنی جس قوم کی طرف تعین کے ساتھ رسول کو بھیج دیا جائے اور رسول دعوت و تبلیغ کے ذریعہ سے اپنی قوم پر اتمامِ حجت کر دے لیکن قوم اس کی بات کو نہ مانے تو وہ قوم کسی رعایت کی مستحق نہیں رہتی اور اسے اس دنیا میں نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ کسی عام داعی کی بات نہیں ہے' یہ رسول کی بات ہے۔ رسول تو اللہ تعالیٰ کی برہان بن کر مبعوث ہوتا ہے' وہ اللہ کی طرف سے بینات لے کر آتا ہے' اللہ کے حکم سے معجزات دکھاتا ہے' اس پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے کہ جس سے بڑی کوئی برہان اور کوئی بینہ ممکن نہیں ہے۔ اب ان تمام باتوں کے بعد بھی لوگ ایمان نہ لائیں تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ اس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ اللہ کا وہ غیر مبدل قانون ہے جس کے تحت پوری کی پوری قومیں ہلاک کر دی گئیں اور نقشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ ﴿لَا یُرٰٓی اِلَّا مَسٰکِنُھُمْ﴾ یعنی قوم ختم ہو گئی' مسکن رہ گئے' کھنڈرات رہ گئے۔ مکان نظر آ رہے ہیں' مکین نظر نہیں آ رہے۔ مختلف قوموں پر عذابِ استیصال مختلف صورتوں میں آیا ہے۔ کہیں ایسا ہوا ہے کہ ایک عالمگیر نوعیت کا سیلاب لا کر پوری کی پوری قوم کو غرق کر دیا گیا' جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا۔ کہیں ایسا ہوا ہے کہ قوم کے چیدہ چیدہ لوگوں کو نکال کر سمندر میں غرق کر دیا گیا' جیسے آل فرعون کے ساتھ

ہوا۔ کہیں ایسا ہوا کہ منکرین کی بستیوں ہی میں عذاب آیا۔ کہیں زلزلہ آگیا' کہیں پتھراؤ کیا گیا' کہیں طوفان بادوباراں آگیا' کہیں بستیوں کو اٹھا کر پلٹ دیا گیا۔ کہیں ایسی چنگھاڑ اور گرج بھیج دی گئی کہ جس کو سن کر پوری کی پوری بستی ختم ہو گئی ـــــ تو عذابِ استیصال کی یہ مختلف صورتیں رہی ہیں۔

حضور ﷺ کی دو بعثتیں : درحقیقت حضور ﷺ کی بعثتیں دو ہیں۔ ایک بعثتِ خصوصی' اہلِ عرب یعنی بنی اسمٰعیل کی طرف ہے' جن میں سے نبی اکرم ﷺ خود تھے۔ جن کی زبان میں حضورؐ پر اللہ کا کلام نازل ہوا۔ دوسری بعثتِ عمومی ہے "اِلٰی کَافَّۃً لِلنَّاسِ" یعنی پوری نوع انسانی کی طرف۔ وہ اس وقت موضوع بحث نہیں ـــــ البتہ جن کی طرف رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ خصوصی تھی تو ان پر دعوت و تبلیغ' وعظ و نصیحت' انذار و تبشیر' تذکیر و موعظت کے ذریعہ سے حضور ﷺ رسالت کی تمام ذمہ داریاں بنفس نفیس ادا فرما چکے تھے۔ اس طرح ان پر اتمامِ حجت کیا جا چکا تھا' لہٰذا ان کے لئے اب رعایت کا کوئی سوال نہیں تھا۔ ان پر اللہ کا جو عذاب آیا اس کی پہلی قسط غزوۂ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی' جہاں ان کے بڑے بڑے سردار کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی مانند پڑے ہوئے تھے۔ انہی میں ابوجہل تھا' عتبہ بن ابی معیط تھا' انہی میں عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بھائی اور بیٹا بھی تھے۔ الغرض ان کے اکثر نامی گرامی سردار اس غزوہ میں کھیت رہے تھے۔ انہی میں نضر بن حارث بھی تھا جو پکڑا گیا تھا اور بعد میں حضورؐ نے اسے قتل کرایا تھا۔ پھر مختلف غزوات میں بہت سے صنادید مشرکین بتدریج اس دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں مقتول ہو کر واصلِ جہنم ہوتے رہے۔

مکمل قلع قمع کا مرحلہ : سورۃ التوبہ کی ابتدائی چھ آیات میں درحقیقت عرب سے شرک کے مکمل خاتمہ اور قلع قمع (Mopping up Operation) کا اعلانِ عام ہے کہ اب اہلِ عرب میں سے مشرکین کیلئے کوئی رعایت نہیں ہے' اب ان سے کوئی نئی صلح نہیں ہوگی۔ صلح کے جو معاہدے پہلے ہو چکے ہیں ان میں سے کسی کی بھی مدت

ختم ہو جانے کے بعد آئندہ تجدید نہیں ہوگی۔ کسی نے صلح توڑ دی' معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو وہ اسی وقت ختم اور کالعدم ہو جائے گی۔ پھر یہ کہ چار مہینے گزرنے کے بعد پورے عرب میں مشرکین کا قتل عام شروع ہو جائے گا' کسی کی کوئی رُو رعایت نہیں کی جائے گی' کسی کی جان بخشی نہیں کی جائے گی' سوائے اس کے جو ایمان لے آئے۔ دل کا حال اللہ جانتا ہے' اس کا حساب وہ عزّوجلّ خود لے گا ـــــ یہاں اسے اپنے ایمان کا اقرار و اعلان کرنا ہوگا' کلمۂ شہادت ادا کرنا ہوگا' نماز قائم کرنی ہوگی' زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ جو بھی ان شرائط کو پورا کر دے گا اس کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا یعنی جو لوگ نظامِ اسلام کو قبول کر لیں اور مسلم ہو جائیں' ان کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ رہا یہ معاملہ کہ ان کے دلوں میں ایمان داخل ہوا یا نہیں' اس کا فیصلہ اللہ کرے گا۔ کیونکہ دلوں کا حال اُسی "عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" کو معلوم ہے۔ چنانچہ اسی مضمون پر مشتمل رسول اللہؐ کی بڑی پیاری حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا :

((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَیُقِیْمُوا الصَّلَاةَ وَیُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))

"مجھے (اللہ کی طرف سے) یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں حتیٰ کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ پس جب وہ یہ (کام) کریں تو وہ مجھ سے اپنے خون اور اپنے اموال بچا لیں گے' سوائے اس کے کہ کوئی اسلام کے قانون کی زد میں آ جائے (باقی رہا) ان کا حساب تو وہ اللہ کے ذمے ہے۔"

معلوم ہوا کہ مشرکین مکّہ کی جان بخشی کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں تھی کہ وہ کلمۂ شہادت ادا کریں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

قتلِ عام کی نوبت نہیں آئی : ان چار مہینوں کے اختتام پر مشرکینِ عرب میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اسلام نہ لے آیا ہو۔ گنتی کے چند افراد کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ آخر وقت تک کفر پر قائم رہے' لیکن ایسے لوگ معیّن وقت ختم ہونے سے پہلے ہی سرزمینِ عرب کو چھوڑ کر جا چکے تھے۔ چنانچہ کوئی حبشہ چلا گیا اور کسی نے شام یا مصر میں پناہ لی ـــــ بہرحال خونریزی کا مرحلہ نہیں آیا۔ لیکن اصل میں اس اعلان کی حیثیت جزیرہ نمائے عرب سے کفر و شرک کے استیصال (Mopping up Operation) کی ہے کہ اگر اہلِ عرب بنی اسمٰعیل میں سے کوئی بھی انکار کرتا تو اس کے ساتھ کوئی رعایت نہ کی جاتی۔ البتہ دوسرے غیر عرب کفار کا معاملہ دوسرا ہے۔

نظم کی اہمیت کا ایک اہم واقعہ

سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات کے نازل ہونے سے پہلے حج کے لئے قافلہ روانہ ہو چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج مقرر فرمایا تھا۔ اب ان آیات کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکّہ روانہ فرمایا اور آنجنابؓ کو یہ ذمہ داری سپرد کی کہ حج کے موقع پر جبکہ میدانِ عرفات میں پورے عرب کے کونے کونے سے آئے ہوئے لوگ جمع ہوں گے' جن میں مشرکین بھی ہوں گے تو اس مجمع میں یہ آیات میرے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے کھڑے ہو کر سنا دینا تاکہ تمام اہلِ عرب کو معلوم ہو جائے کہ اشہرِ حرم کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے مشرکینِ عرب سے کیا معاملہ ہو گا!

یہ چھ آیات اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے تفویض کردہ ذمہ داری لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے اور راستہ ہی میں قافلۂ حج کو جا لیا۔ جب وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سلام و دعا کے بعد دریافت فرمایا : "اَمِیْرًا اَوْ مَاْمُوْرًا؟" یعنی یہ بات واضح کر دیجئے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو امیر بنا کر

بھیجا ہے یا مامور بنا کر؟ ـــــ کسی اسلامی جماعت میں کسی بھی فرد کے لئے دو ہی صورتیں ممکن ہیں' یا تو وہ خود صاحب امر یعنی امیر ہو گا' بصورت دیگر کسی امیر کے تابع یعنی مامور ہو گا ـــــ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اَمِیْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ؟ ـــــ یعنی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ نے آپ کو امیر بنا دیا ہو' تو آیئے چارج سنبھالئے' اپنی پوزیشن میں آیئے' تاکہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں اب مامور ہوں اور میں آپ کا حکم سنوں اور مانوں۔ اور اگر دوسری صورت ہے کہ میں ہی امیر حج ہوں اور آپ مامور ہیں تو یہ پوزیشن بھی واضح ہو جانی چاہئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فوراً کہا : مَاْمُوْرٌ ـــــ یعنی میں امیر بن کر نہیں آیا میں مامور ہی ہوں' اس قافلہ حج کے امیر آپ ہی ہیں۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ذمہ یہ کام سپرد کیا ہے کہ آپؐ کی روانگی کے بعد جو چھ آیات نازل ہوئی ہیں ان کا اعلانِ عام حج کے مجمع میں رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کی حیثیت سے کر دوں۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی بحیثیت امیر قافلہ حضور ﷺ کی جانب سے اعلان فرما سکتے تھے تو یہ ذمہ داری خصوصیت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیوں کی گئی؟ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں دستور تھا کہ کوئی اہم اور خاص اعلان کسی قبیلہ کے سردار کی عدم موجودگی میں اس کا کوئی قریب ترین عزیز ہی کیا کرتا تھا جو اسی قبیلہ سے تعلق بھی رکھتا ہو۔ ایسی صورت میں اس اعلان کی اہمیت مسلم ہوتی تھی۔ اگرچہ رشتہ داری کے اعتبار سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے خسر تھے' لیکن آپؓ بنو ہاشم میں سے نہیں تھے جبکہ ابھی تک قبائلی نظام بڑی حد تک باقی (Intact) تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ آپؐ کے قریب ترین عزیز بھی تھے اور قبیلہ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا یہ ذمہ داری حضرت علیؓ کے سپرد کی گئی۔

ایک رعایت

اس کے بعد چھٹی آیت میں مشرکین کے لئے ایک رعایت کا ذکر ہے۔ فرمایا :

﴿ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

"اور (اے نبیؐ) اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے' پھر اسے اس کے مامن یعنی مستقل قیام گاہ تک پہنچا دیجئے۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے"۔ یعنی ان کو اسلام کے پیغام کی پوری واقفیت نہیں ہے۔

آیتِ مبارکہ کے ترجمہ ہی سے پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ تاہم مفہوم یہ ہے کہ مہلت کے چار مہینوں کے اندر کوئی مشرک دین کو جاننے اور سمجھنے کے لئے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دی جائے' اسے دین سمجھایا جائے۔ اگر اس کام میں چار ماہ کی مدت ختم ہو جائے اور وہ ایمان نہ لائے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے اس کی قیام گاہ تک پہنچا دیا جائے گا۔ وہاں پہنچ کر وہ جو فیصلہ کرے اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ ایمان لے آئے تو چھوڑ دیا جائے گا' ترکِ وطن کرنا چاہے تو راستہ نہیں روکا جائے گا۔ دونوں اختیارات میں سے کوئی بھی اس کے لئے قابل قبول نہ ہو تو اب وہ واجب القتل ہو گا۔

مشرکین کے لئے بیت اللہ میں داخلہ کی ممانعت

مشرکین کے لئے آئندہ حج کرنے اور بیت الحرام میں داخل ہونے کی ممانعت کا حکم پہلے نازل ہو چکا تھا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ... ﴾ (التوبہ : ۲۸)

"اے اہل ایمان' مشرکین ناپاک ہیں' لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں...."

بیت اللہ کی تطہیر اب مکمل ہو گئی۔ لہٰذا آئندہ مشرکین کو نہ حج کی اجازت ہو گی نہ وہ

حرم شریف میں داخل ہو سکیں گے۔

مَیں انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مرحلے کو Mopping up Operation سے تعبیر کرتا ہوں۔ یہ وہ مرحلہ ہے کہ جب ہر نوع کی مزاحمت و رکاوٹ (Resistance) ختم کر کے اور آخری وارننگ دے کر جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اسلامی انقلاب کی تکمیل کر دی گئی۔ اس بات کا اشارہ سورۃ المائدہ میں بھی ملتا ہے، جہاں فرمایا گیا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدہ : ۳)

"آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔"

یہ وہ آیت مبارکہ ہے جس کے متعلق یہودی بڑی حسرت کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ اگر اس مفہوم کی کوئی آیت ہمیں عطا ہو جاتی تو ہم اس کے یومِ نزول کو اپنی سالانہ عید کے طور پر مناتے۔

سورۃ المائدہ کی یہ آیت نہایت اہم، عظیم اور مہتم بالشان مطالب و مفاہیم کی حامل ہے۔ کیونکہ اس آیت میں تکمیل دین کا اعلان ہے۔ یعنی نوع انسانی کو ایک ایسا مستقل اور بھرپور نظامِ زندگی عطا کر دیا گیا ہے کہ جس میں قیامت تک کے لئے بنی نوع انسان کے جملہ انفرادی و اجتماعی مسائل کا نہایت معتدل تفصیلی یا اصولی حل موجود ہے۔ پھر اسی آیت میں اتمامِ نعمت کا اعلان بھی ہے۔ یعنی نہ صرف یہ کہ دین مکمل ہو گیا بلکہ نعمت کی تکمیل بھی ہو گئی۔ اور نعمت سے یہاں مُراد ہے سلسلۂ وحی اور نبوت و رسالت۔ نبوت و رسالت کا بنیادی مقصد لوگوں تک اللہ کے دین کو پہنچانا اور اپنے قول و فعل سے لوگوں پر حجت قائم کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنفسِ نفیس یہ کام کر کے دکھایا اور جزیرہ نمائے عرب کی حد تک دین کو بالفعل غالب فرما کر

گویا اتمامِ حجت کا حق ادا کر دیا۔ اور اس طرح سلسلۂ نبوت و رسالت بھی اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اب چونکہ اللہ کا آخری اور مکمل پیغام بنی نوع انسان تک پہنچ گیا تھا اور اس آخری وحی کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ نے لے لیا تھا اور دوسری جانب حضورؐ کی ذات میں سلسلۂ رسالت بھی اپنے کمال کو پہنچ چکا تھا اور اس میں مزید کسی اضافے (improvement) کی گنجائش نہیں تھی لہٰذا سلسلۂ وحی اور نبوت و رسالت کو اب ہمیشہ کے لئے منقطع کر دیا گیا ـــــ اس پہلو سے یہ آیت اتمام و اختتامِ نبوت و رسالت پر بھی دلالت کرتی ہے۔

انقلابِ محمدیؐ کی تکمیل

فتح مکّہ اور معرکۂ حنین و اوطاس نیز محاصرۂ طائف کے بعد اہل طائف خود ہی مطیع ہو کر مشرف باسلام ہو گئے تھے ـــــ اسلامی انقلاب کی تکمیل ہو چکی تھی اور نقشہ یہ بن گیا تھا کہ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اللہ کا دین دوسرے تمام باطل نظام ہائے حیات پر غالب و حکمران ہو گیا تھا۔

نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ عرب کے جن قبائل نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا ان میں مشاورتیں منعقد ہوئیں اور مدینہ میں ان کے وفود کا تانتا بندھ گیا۔ ہر روز کسی نہ کسی قبیلہ کا وفد آ کر سرِ اطاعت خم کرتا تھا اور اسلام قبول کر لیتا تھا۔ گویا کہ اسلام کے خلاف مزاحم قوتوں کا بڑی تیزی سے خاتمہ ہوتا جا رہا تھا۔

اسلام کا اصل مفہوم ہی فرمانبرداری اور اطاعت قبول کرنا ہے۔ فارسی میں اس مفہوم کو "گردن نہادن" اور انگریزی میں to give up resistance اور to surrender کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کیفیت کو سورۃ النصر میں یوں بیان کیا گیا ہے :

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ

دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا○ ﴾

"جب پہنچ چکی اللہ کی مدد اور (حاصل ہو گئی) فتح تو تم نے دیکھا لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہوتے فوج در فوج۔"

اس طرح جزیرہ نمائے عرب میں بسنے والے تمام عرب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ انقلاب کے ان چھ کے چھ مراحل سے گزرنے کے بعد انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل ہو گئی۔

دوسرے منکرین و کُفّار کا معاملہ

اندرونِ جزیرہ نمائے عرب جو غیر اسماعیلی آباد تھے' یہ یہود اور نصاریٰ تھے۔ یہ بنی اسماعیل میں سے نہیں تھے۔ اس طرح حضور ﷺ کے ہم نسل نہیں تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے چھوٹے بھائی حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام سے' جن کا لقب اسرائیل تھا' جو نسل چلی وہ اسرائیلی یا بنی اسرائیل کہلائی۔ یہود و نصاریٰ اسی نسل سے تھے۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جا کر یہ دونوں نسلیں مل جاتی ہیں' لیکن چونکہ اسی وقت سے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کی رہائش گاہوں میں اتنا بُعدِ مکانی تھا کہ جس کے باعث حضرت ابراہیمؑ کی ذریت دو علیحدہ نسلوں کی حیثیت سے پھیلی۔ لہٰذا اسی دور سے یہ جدا جدا نسلیں شمار ہوتی چلی آ رہی ہیں —— پھر بنی اسرائیل کے پاس پہلے آسمانی کتابیں اور صحیفے موجود تھے۔ یہود کے پاس شریعت کا ایک ڈھانچہ بھی موجود تھا۔ چاہے ان چیزوں میں تحریف ہو چکی تھی لیکن بہرحال وہ اہل کتاب تھے اور قرآن مجید نے ان کی اس حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا ان کی کیٹگری کو علیحدہ رکھا گیا اور ان کے متعلق سورۂ توبہ کی آیت ۲۹ میں احکامات آ گئے۔ فرمایا:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ ﴾

"(اے مسلمانو!) قتال کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے جو نہ اللہ کو مانتے ہیں (جیسا کہ اس کے ماننے کا حق ہے) اور نہ روزِ آخرت کو اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا اور نہ دینِ حق (اسلام) کو قبول کرتے ہیں۔ (ان سے جنگ کرو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔"

بنی اسماعیل کے لئے تو دو اختیارات میں سے ایک قبول کرنا تھا کہ یا ایمان لائیں یا قتل ہونے کے لئے تیار رہیں ـــــ اس کے نتیجہ میں تیسرا اختیار (option) از خود بن گیا تھا کہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں ـــــ عرب میں رہتے ہوئے کوئی تیسرا option ان کے لئے نہیں تھا۔ عرب میں کسی نوع کی غیر اللہ کی پرستش نہیں ہو سکتی، چاہے وہ اصنام پرستی ہو، چاہے مظاہرِ قدرت کی پرستش۔ لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ معاملہ مختلف رکھا گیا۔ انہیں رعایت دی گئی اور ان کے سامنے تین صورتیں رکھی گئیں۔ پہلی یہی کہ ایمان لے آؤ تو ہمارے برابر کے بھائی ہو، کوئی مغائرت باقی نہیں رہے گی، حقوق و فرائض میں سب مکمل طور پر مساوی ہوں گے ـــــ یہ منظور نہیں تو دوسری صورت یہ ہے کہ چھوٹے بن کر رہو۔ دینِ حق کے غلبہ کو تسلیم کرو، نظامِ اجتماعی (Law of the land) اللہ کے دین کے مطابق نافذ و رائج ہو گا اور تمہیں اس کی اطاعت کرنی ہو گی اور اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرنا ہو گا۔ دین اللہ کے تحت تم یہودی یا عیسائی ہو کر رہ سکتے ہو۔ تمہارے احوالِ شخصیہ (Personal Law) میں اسلامی حکومت کوئی مداخلت نہیں کرے گی۔ اس کی اجازت ہے [1]۔ لیکن تم چھوٹے بن کر اور جزیہ ادا کر کے اسلامی حکومت کے تحت رہ سکتے ہو ـــــ اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو پھر تیسری صورت قتال کی ہے۔ اس کے سوا چوتھی شکل کوئی اور نہیں۔ اس میں از خود یہ بات بھی مضمر ہے کہ اسلامی حکومت کے دائرۂ اختیار

---

[1] یہ بات سورۃ البقرہ میں بایں الفاظ پہلے فرما دی گئی تھی کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

سے نکل کر کسی اور جگہ جا کر آباد ہو سکتے ہو۔

سورۃ التوبہ کی یہی وہ آیت ہے جو اسلامی انقلاب کے بین الاقوامی مرحلہ میں بنیادی ہے کہ بعد میں خلافتِ راشدہ کے دوران جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فوجیں اعلائے کلمۃ اللہ اور اظہارِ دین الحق کے لئے نکلتیں تو وہ ہمیشہ یہی تین شرائط (options) پیش کرتے تھے۔(i) ایمان لے آؤ' تم ہمارے برابر کے بھائی ہو گے۔ تمہاری تمام املاک جوں کی توں تمہاری ملکیت میں رہیں گی' ہم کسی کو ہاتھ تک نہیں لگائیں گے۔ ہمارا تمہارا معاملہ ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے بالکل مساوی ہو جائے گا ــــــ (ii) اگر یہ منظور نہیں کرتے تو تمہیں چھوٹے بن کر رہنا پڑے گا۔ غالب دین اللہ کا ہو گا' حکومت اللہ کی ہو گی' تم ماتحت رہ کر اور جزیہ دے کر خواہ عیسائی بن کر رہو' یہودی رہو' مجوسی رہو' ہندو رہو' سکھ رہو' جو چاہو رہو اس کی اجازت ہو گی۔ تمہارے احوالِ شخصیہ میں اسلامی حکومت قطعاً کوئی مداخلت نہیں کرے گی' لیکن تمہیں چھوٹے ہو کر اور اللہ کے دین کو بحیثیت نظامِ اجتماعی ذہناً قبول کر کے اسلامی حکومت میں رہنے کی اجازت ہو گی۔ لاء آف دی لینڈ اسلام ہی ہو گا ــــــ (iii) اگر یہ دونوں باتیں تمہارے لئے قابل قبول نہیں ہیں تو قتال کے لئے میدان میں آؤ۔ تلوار ہمارے اور تمہارے مابین فیصلہ کر دے گی۔ چوتھی کوئی شکل نہیں ہے ــــــ تو یہ تین شرائط درحقیقت مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ پر مبنی ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین OO

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

خطاب دہم

بیرونِ عرب
انقلابِ محمدیؐ کی توسیع و تصدیر

انقلاب کی خصوصیت

ہر انقلاب کی فطری خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جغرافیائی یا علاقائی یا ملکی اور قومی حدود کا پابند نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ پھیلتا ہے۔ کسی بھی انقلابی نظریہ کو نہ پاسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے نہ ویزا کی' بلکہ وہ ان قیود سے آزاد ہوتا ہے۔ جدید اصطلاح میں اسے "تصدیر الانقلاب" کہتے ہیں۔ یعنی انقلاب ایکسپورٹ کرنا' اس کو بیرونِ ملک برآمد کرنا' اس کا دائرہ وسیع کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی وہ انقلاب ظہور پذیر ہو۔ یہ انقلاب کا خاصہ ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ پھیلے اور وسعت پذیر ہو۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کسی انقلاب کے حقیقتاً "انقلاب" ہونے کا حتمی ثبوت یہی ہے کہ وہ کسی علاقائی و جغرافیائی حد میں محدود ہو کر نہ رہ جائے' بلکہ پھیلے اور وسعت پذیر ہو۔ اگر وہ جغرافیائی حدود کے اندر محدود ہو کر رہ گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں جان نہیں تھی' اس کے بنیادی فلسفہ میں قوت تسخیر نہیں تھی' اس میں آفاقیت اور عالمگیریت نہیں تھی' بلکہ شاید اس کے اندر اصل فیصلہ کُن عوامل صرف قومی و ملکی تھے۔ اس میں کوئی ایسا نظریہ' کوئی ایسا پیغام نہیں تھا جو بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہو اور جو قومی اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہو کر نوعِ انسانی کے اذہان و قلوب میں اپنی جگہ بنا سکے۔

انقلاب کی چند مثالیں

کامل انقلاب کی مثال تو تاریخ انسانی میں ایک اور صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام ـــــ جس کے نتیجہ میں انسانی زندگی کا

ہر گوشہ بدل گیا تھا۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں میں انقلاب آگیا یعنی معاشرتی، سماجی، سیاسی، معاشی، عدالتی، دستوری اور آئینی غرضیکہ وہ تمام شعبے یکسر بدل گئے جو اجتماعیاتِ انسانی سے متعلق ہیں، بلکہ انفرادی زندگی بھی پورے طور پر اس کی لپیٹ میں آگئی تھی، چنانچہ اخلاق بدل گئے، عقائد بدل گئے، صبح و شام کے معمولات اور رہن سہن کے طور طریقے سب بدل گئے۔ مختصراً یہ کہ ایک ایسا انقلاب جو پوری انسانی زندگی کو اپنی گرفت اور اپنے احاطہ میں لے لے، یعنی جسے ہم کامل انقلاب (Complete Revolution) کہہ سکیں، وہ تو صرف انقلابِ محمدیؐ ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب میں برپا کیا تھا۔ لیکن اس سے نیچے اتر کر وہ انقلابات جو کسی نہ کسی درجہ میں "انقلاب" کا عنوان پانے کے مستحق بن سکتے ہیں ان میں دو انقلابات قابل ذکر ہیں۔ ایک ہے انقلابِ فرانس، جس کے نتیجہ میں سیاسی ڈھانچہ بدل گیا تھا۔ یعنی ملوکیت کا دور ختم ہوا اور جمہوریت کے دور کا آغاز ہوا۔ اسی طرح دوسرا انقلاب جس پر لفظ انقلاب کا کسی درجہ میں اطلاق ہوتا ہے وہ ہے روس کا انقلاب یعنی بالشویک انقلاب جس کے نتیجہ میں معیشت کا پورا ڈھانچہ بدل گیا، تمام ذرائع پیداوار انفرادی ملکیت سے نکل کر اجتماعی ملکیت میں لے لئے گئے۔ آغاز میں تو وہاں بہت انتہاپسندی تھی کہ انفرادی ملکیت کی کامل نفی تھی، لیکن ہوتے ہوتے پھر وہ یہاں تک پہنچے کہ ذاتی استعمال کی چیزیں انفرادی ملکیت ہو سکتی ہیں۔ جیسے ایک شخص کے پاس سائیکل ہے جس پر وہ دفتر یا کارخانے جاتا ہے تو یہ اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ کسی شخص کے پاس رہنے کے لئے مکان ہے تو وہ اس کی ذاتی ملکیت ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس کے پاس گھریلو استعمال کا جو سامان ہے، وہ بھی اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ لیکن ذرائع پیداوار (Means of Production) جن سے انسان مزید پیدا کرتا ہے، جس سے وہ آمدنی کا ذریعہ بناتا ہے، کسی فرد کی ملکیت میں نہیں رہیں گے، بلکہ وہ پوری قوم اور ریاست کی ملکیت قرار پائیں گے اور حکومت ان کا انتظام کرے گی۔ ان ذرائع پیداوار سے

جو یافت ہوگی، حکومت کوشش کرے گی کہ اس کو پوری قوم میں ایک مقررہ معیار کے مطابق حصہ رسدی کے اصول پر تقسیم کر دیا جائے ـــــ بہرحال یہ ایک بہت بڑی تبدیلی ہے اور اس تبدیلی کے اعتبار سے بالشویک ریوولیوشن بھی یقیناً ایک انقلاب تھا۔ الغرض سیاسی سطح پر انقلابِ فرانس اور معاشی سطح پر انقلابِ روس یقیناً "انقلابات" قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں۔ اور ان دونوں میں آپ کو یہ قدرِ مشترک نظر آئے گی کہ یہ انقلابات اپنے ملکوں تک محدود نہیں رہے بلکہ وسعت پذیر ہوئے۔ انقلابِ فرانس کے نتیجہ میں جمہوریت کا جو سیاسی نظام آیا وہ صرف فرانس تک محدود نہیں رہا بلکہ دنیا کے بہت سے ممالک میں جمہوریت کے قیام کیلئے تحریکیں چلیں اور کامیاب ہوئیں۔ اگرچہ آپ کو یہ عجیب بات نظر آئے گی کہ یورپ میں بعض ممالک نے ابھی تک بادشاہت کو سنبھال کر رکھا ہوا ہے لیکن دراصل اس کی حیثیت محض آرائشی و زیبائشی نوعیت کی ہے۔ ورنہ درحقیقت ملوکیت کا دور ختم ہو چکا ہے اور اب جمہوریت ہی کا دور ہے۔ اسی طرح روس کا جو انقلاب تھا اس کے بطن سے نہ معلوم کتنے انقلابات برآمد ہوئے اور کرۂ ارضی پر نصف کے لگ بھگ ممالک ایسے ہوں گے جن پر کسی نہ کسی شکل میں اس نظریہ کی حکمرانی قائم ہوئی جس کے تحت ۱۹۱۹ء میں روس میں پہلا انقلاب آیا تھا۔

انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس کے حوالے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ کسی بھی حقیقی و واقعی انقلاب میں بنیادی طور پر وسعت پذیری کی خصوصیت و صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے معاملے میں تو اس کی اہمیت و ضرورت کئی گنا بڑھ جاتی ہے کہ آپؐ کا لایا ہوا انقلاب محض جزیرہ نمائے عرب کی حد تک محدود نہ ہو جائے بلکہ آگے بڑھے اور پھیل جائے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ خاتم النبیین بھی ہیں اور آخر المرسلین بھی ـــــ اور آپ کی دعوت محض اہل عرب کے لئے نہ تھی بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے تھی۔ لہٰذا آپؐ کے مقصد بعثت کا بھی یہ تقاضا تھا کہ آپؐ نہ صرف یہ کہ عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل بنفس نفیس فرمائیں

بلکہ اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں اس کے بین الاقوامی مرحلہ کا آغاز فرما کر مستقل طور پر اُمّت کی رہنمائی فرمادیں۔

تاہم انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل درحقیقت اُس وقت ہوگی جب پورے کرۂ ارضی پر دین حق اسی طرح غالب ہو جائے جیسے نبی اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل جزیرہ نمائے عرب پر غالب فرمادیا تھا۔ چنانچہ آفاقی سطح پر انقلابِ محمدیؐ کی تکمیل کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔ اس مفہوم کو علامہ اقبال مرحوم نے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے ظاہر کیا ہے کہ ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے!
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

یعنی جب تک نورِ توحید سے پورا کرۂ ارضی جگمگا نہیں اُٹھتا اُس وقت تک اُمت مرحومہ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتی۔ اس پر تو لازم ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین کی جدوجہد مسلسل جاری رکھے۔ ازروئے الفاظ قرآنی: ﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ.... ﴾ "اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ اس کیلئے جہاد کا حق ہے۔ (اے اُمت مسلمہ) اُس (اللہ) نے تمہیں (اس کام کیلئے) چن لیا ہے..."

اقسامِ توحید

توحید کی ایک قسم علمی و فکری یعنی عقیدہ کی توحید ہے کہ اللہ کو ذات و صفات کے اعتبارات سے ایک مانا جائے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۱۱)

"اور کہہ دو سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا سلطنت میں شریک ہے اور نہ کوئی کمزوری کی وجہ سے اس کا مددگار ہے۔ اور اس کی بڑائی بیان کرتے رہو، کمال درجے کی بڑائی"۔

جبکہ توحید کی دوسری قسم عملی توحید ہے، یعنی صرف اللہ ہی کے بندے بن جانا۔ فرمایا:

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ .... ﴾

"اے لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے (اس) رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا۔"

اللہ کی اطاعت کو اپنے آپ پر اس طرح لازم و فرض کر لینا کہ اُس کی اطاعت سے آزاد کسی اور کی اطاعت اس میں شامل نہ ہو۔ اس عملی توحید کا اجتماعی سطح پر تقاضا اُس وقت پورا ہوگا جب وہ نظام قائم ہو جائے گا جس میں حاکمِ مطلق (Supreme Authority) صرف اللہ کو مانا جائے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ یعنی نہ صرف یہ تسلیم کیا جائے کہ قانون و شریعت دینے کا اختیار صرف اُس (تعالیٰ) کے پاس ہے۔ بلکہ بالفعل اللہ کے دین اور اس کی شریعت کو پورے اجتماعی نظام پر غالب و نافذ کر دیا جائے۔ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا۔ یہی عملی توحید ہے۔ اور توحید کی یہ شکل جب تک عالمی سطح پر عملی اعتبار سے مکمل طور پر قائم و نافذ نہیں ہوتی اُس وقت تک انقلابِ محمدیؐ کی تکمیل کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔ گویا

ع نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

آنحضورؐ پر تکمیلِ نبوّت و رسالت اور اس کے تقاضے

آفاقی رسالت

قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کے اعتبار سے یہ بات بہت اہم ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے جتنے رسول آئے، ان سب میں بلا استثناء یہ بات مشترک نظر آتی ہے کہ ان کی رسالت دو اعتبارات سے محدود تھی۔ ایک مکانی لحاظ سے، کہ وہ اپنی اپنی قوموں

کی طرف یا کسی مخصوص علاقہ کی طرف مبعوث ہوئے۔ سورۂ ہود اور سورۂ قصص میں رسولوں کا ذکر اسی انداز میں ملتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کی رسالت زمانی اعتبار سے بھی محدود تھی کہ ہر رسول کی رسالت اُس وقت تک کے لئے تھی جب تک اگلا رسول نہیں آجاتا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی اگلا رسول آتا تھا پہلے کا دَورِ رسالت ختم ہو جاتا تھا۔ یعنی آنے والے رسول کو ملنے والی ہدایت اور شریعت میں جتنی سابقہ چیزیں برقرار رکھی جاتیں وہ آنے والی ہدایت اور شریعت کا جزو بن جاتیں' باقی منسوخ ہو جاتیں ـــــ گویا نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل رسالت کا معاملہ مکانی اور زمانی دونوں اعتبارات سے محدود رہا ہے۔

تکمیلِ نبوّت و رسالت

نبوت کی تکمیل کا مظہر یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہدایت کامل کر دی گئی۔ سابقہ انبیاء و رُسل علیہم السلام کو جو کچھ بذریعہ وحی ملتا رہا ہے اس کا کامل' مکمل اور محفوظ ایڈیشن قرآن مجید ہے ؎

نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ اُو رحمۃٌ لِّلعَالمیں!

چنانچہ ہدایت الٰہی کا یہ آخری اور کامل ایڈیشن آگیا تو گویا کہ نبوت کامل ہو گئی۔

رسالت کی تکمیل کے دو مظہر ہیں۔ ایک یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت مکانی اور زمانی دونوں اعتبارات سے غیر محدود ہے۔ اس لئے کہ ایک جانب آپؐ کی رسالت کرۂ ارضی پر بسنے والی تمام نوعِ انسانی کے لئے ہے اور دوسری جانب آپؐ کی رسالت کا دور دائمی ہے۔ یعنی تا قیامِ قیامت آپؐ ہی کی رسالت کا دور ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اشارات موجود ہیں۔ مثلاً سورۂ سبا میں ارشاد ہے : ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا.... ﴾ "اور (اے نبی) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپؐ کو مگر تمام نوعِ انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنا کر...."

گویا کہ مکانی حدود ختم ہوئیں۔ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پورے کرۂ ارضی کے لئے ہے اور آپؐ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کی طرف ہوئی ہے۔ آپؐ کی مخاطب کوئی ایک قوم، کوئی ایک قبیلہ، کوئی ایک نسل، کوئی ایک علاقہ، کوئی ایک ملک اور کسی ایک دور کے انسان نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی ہے۔ یہ چیز جہاں مکانی اعتبار سے غیر محدود ہے وہاں زمانی اعتبار سے بھی غیر محدود ہے کہ اب تا قیامِ قیامت کوئی نبی اور رسول آنے والا نہیں۔ اب حضور ﷺ کا دورِ رسالت ہے جو قیامت تک قائم ودائم رہے گا۔

تکمیل و ختمِ نبوت کا منطقی تقاضا

قرآن حکیم سے جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ تمام نوعِ انسانی کے لئے رسول بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں اور آپؐ کی رسالت تا قیامِ قیامت دائم اور جاری وساری ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خاتم الانبیاء و آخر الرسل محمد ﷺ جو دین حق دے کر مبعوث فرمائے گئے تھے اور جس دین کو تمام نظامہائے حیات پر غالب کرنا آپؐ کا فرضِ منصبی قرار دیا گیا تھا، اس دین کی دعوت و تبلیغ اور اقامت کا کام جاری رہے۔ چنانچہ اب یہ فریضہ اُمّتِ مسلمہ کے سپرد ہوا۔ یعنی ایک طرف اللہ کا پیغام تمام بنی نوعِ انسان تک اس درجہ میں پہنچا دینا کہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے کہ وہ اللہ کے یہاں یہ عذر پیش نہ کر سکیں کہ ہم تک تیرا پیغام نہیں پہنچا۔ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ پورے کرۂ ارضی پر دین حق کو بالفعل غالب و قائم کرنا بھی اس اُمت کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ بنفسِ نفیس اپنے مشن کی ایک حد تک تکمیل فرما کر اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل ہو گئی، لیکن آپؐ کا مشن تو درحقیقت اُس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچے گا جب پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا پرچم سب سے بلند ہو گا۔

اس پہلو سے جہاں تک نبی اکرم ﷺ کا تعلق ہے تو حضورؐ اپنے فرضِ منصبی کے

اعتبار سے اس پر مامور تھے کہ آپؐ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل بنفس نفیس فرمادیں۔ یہ گویا آپؐ کی آفاقی' عالمی اور دائمی بعثت و رسالت کا اولین مرحلہ تھا جو پورا ہوا ـــــ لیکن ابھی بین الاقوامی اور عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ کا کام باقی تھا جس کا نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ دُنیوی کے دوران بنفسِ نفیس آغاز فرما کر پھر اس مشن کو اُمّت کے حوالے فرمادیا کہ اب اس فریضہ کی عالمی سطح پر تکمیل تمہارے ذِمّہ ہے۔ اب ایک ایک فردِ نوعِ بشر تک دعوت و تبلیغ اور شہادت علی الناس کا فرض تمہیں انجام دینا ہے اور پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کا بول بالا کرنا یعنی "اسلامی انقلاب" تم نے برپا کرنا ہے۔

دعوت و تبلیغ کے ضمن میں ایک اصولی بات

یہ بات واضح ہونے کے بعد کہ جناب محمّد رسول اللہ ﷺ کی بعثت و رسالت آفاقی و عالمی ہے اور تاقیامِ قیامت حضورؐ ہی کا دَورِ رسالت جاری رہے گا۔ ہمیں سیرتِ مطہرہ کے حوالے سے اور تاریخی اعتبار سے یہ اصولی بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کے مرکز مکّہ مکرمہ سے اس وقت تک قدم باہر نہیں رکھا جب تک آپ اہل مکّہ سے قطعی طور پر مایوس نہیں ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ پر وحی کا آغاز ۶۱۰ء عیسوی میں ہوا۔ اس کے بعد سے لے کر مسلسل اٹھارہ اُنیس برس تک حضور ﷺ کی دعوت و تبلیغ کا دائرہ صرف عرب تک محدود رہا۔ ان میں بھی ابتدائی دس برس تو وہ ہیں کہ آپؐ دعوت و تبلیغ کا کام مکّہ ہی میں انجام دیتے رہے۔ اس میں اگر کوئی استثناء ہے تو صرف یہ کہ مکّہ کے آس پاس جو میلے لگتے تھے ان میں دعوت و تبلیغ کے لئے آپؐ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ان میں عُکّاظ کا میلہ یا بازار بہت مشہور ہے۔ یہ ان میلوں میں سب سے بڑا ہوتا تھا اور اس میں عرب کے کونے کونے سے شعراء اور خطباء آکر جمع ہوتے تھے' وہاں مجلسیں اور محفلیں جمتی تھیں اور شعراء کے مابین مقابلے ہوا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا دعوت و تبلیغ کے لئے

ان میلوں میں تشریف لے جانا تاریخی طور پر ثابت ہے۔ یا پھر آپؐ اسی مقصد کے لئے ان قافلوں کی طرف تشریف لے جاتے تھے جو وقتاً فوقتاً مختلف ضروریات کے لئے مکّہ آتے تھے اور مکّہ سے باہر پڑاؤ ڈالتے تھے' مکّہ سے ضروریاتِ زندگی کی چیزیں لیتے اور پھر اپنے اپنے مستقر کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ ان مستثنیات کے علاوہ نبی اکرم ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے لئے کامل دس برس تک مکّہ سے باہر قدم نہیں نکالا اور حضورؐ کی ساری دعوت و تبلیغ مکّہ تک محدود رہی۔

۱۰ نبوی میں دار الندوۃ میں مشورہ کے بعد محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کر لیا گیا۔ چنانچہ اہل مکّہ سے نا اُمید ہو کر رسول اللہ ﷺ نے طائف کا سفر اختیار فرمایا' لیکن اہل طائف کی طرف سے ایک ہی روز میں جس توہین و تذلیل اور جسمانی اذیت سے سابقہ پیش آیا اس کی دس سالہ مکی دور میں نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ آپؐ کو ایک مشرک مطعم بن عدی کی پناہ لے کر واپس مکّہ آنا پڑا۔

جب بظاہر احوال ہر طرف سے راستہ بند نظر آیا تو اللہ تعالیٰ نے یثرب کی طرف ہجرت کا راستہ کھول دیا۔ ہجرت کے بعد چھ برس کے دوران دعوتِ توحید کا دائرہ بتدریج جزیرہ نمائے عرب میں پھیلنے لگا۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ ان چھ برسوں کے دوران رسول اللہ ﷺ نے نہ اپنا کوئی داعی یا مبلغ عرب کی حدود سے باہر بھیجا اور نہ ہی اپنے کسی جان نثار کو اپنا نامہ مبارک دے کر یا کوئی پیغام دے کر بیرون عرب بھیجا۔ البتہ ۶ھ میں جب صلح حدیبیہ ہو گئی' جسے قرآن مجید نے فتح مبین قرار دیا' تب حضورؐ کی دعوتی سرگرمیاں جہاں اندرونِ عرب عروج پر پہنچیں' وہاں حضورؐ نے بیرون عرب بھی دعوت و تبلیغ کا آغاز فرمایا۔

دعوت و تبلیغ کے بین الاقوامی مرحلہ کا آغاز

فتح خیبر کے بعد ۷ھ کے اوائل ہی میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے دعوتی و تبلیغی نامہ ہائے مبارک دے کر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قیصر روم' کسریٰ ایران' عزیز مصر'

شاہِ حبشہ اور ان رؤسائے عرب کی طرف بھیجا جو جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں پر آباد تھے اور جنہوں نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان میں سے بعض قبائل قیصر روم کے اور بعض کسریٰ ایران کے باج گزار تھے۔ سیرت کی تمام مستند کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نامہ ہائے مبارک کی ترسیل سے قبل مسجد نبویؐ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں حضور ﷺ نے اسی حقیقت کو بیان کیا کہ میری بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام جہان والوں کے لئے رحمت اور رسول بنا کر بھیجا ہے، بفحوائے آیت قرآنی ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ میں نے اب تک دعوت تمہیں پیش کی ہے۔ اب اے مسلمانو! تمہارے ذمہ ہے کہ تم اس دعوت اور پیغام کو لے کر تمام اطراف واکناف عالم میں پھیل جاؤ اور اللہ کی توحید کو عام کرو۔ گویا نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کے بین الاقوامی مرحلہ کا افتتاح اس خطبہ کے ذریعہ سے فرمایا۔

خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ملوک و سلاطین کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے خطوط تحریر کرائے اور اپنے مختلف اصحاب کے ہاتھ آس پاس کے علاقوں کے حکمرانوں اور سرداروں کو اپنے نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے۔ ظاہر بات ہے کہ اس ضمن میں "اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ" کا لحاظ ضروری تھا۔ یوں تو ہندوستان بھی تھا، چین بھی تھا، ایشیا اور یورپ کے نہ معلوم کتنے ممالک تھے، لیکن پہلا دائرہ تو قریب کے علاقوں کا ہی ہو سکتا تھا جو جزیرہ نمائے عرب کے چاروں طرف تھے۔

قیصرِ روم کے دربار میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نامۂ مبارک دے کر بھیجے گئے۔ یہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں روایت آتی ہے کہ وہ شکل و صورت میں نبی اکرم ﷺ سے بہت مشابہ تھے اور نہایت حسین تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی انسانی شکل میں تشریف لاتے تھے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ کو خسرو پرویز کسریٰ ایران کی طرف بھیجا گیا۔
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ عزیزِ مصر کی طرف بھیجے گئے۔ مصر اُس وقت ایک نیم آزاد ملک تھا جو سلطنت روما کا باج گزار تھا۔ عزیز مصر خود بھی عیسائی تھا اور سلطنت روما کے ماتحت تھا۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو شاہِ حبش نجاشی کی طرف بھیجا گیا۔ حبشہ بھی مصر کی طرح سلطنت روما کا باج گزار تھا اور وہاں کا بادشاہ بھی مذہباً عیسائی تھا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کا ایمان اس اعتبار سے بالکل انفرادی نوعیت کا تھا کہ اس موقع پر کوئی "Mass Convertion" نہیں ہوئی تھی۔ یعنی ایسا نہیں ہوا تھا کہ ان کے تمام درباری اور پوری رعایا نے اسلام قبول کر لیا ہو' بلکہ قبولیتِ اسلام کا معاملہ ان کی ذات تک محدود تھا۔ جب ان کے انتقال کی خبر بذریعہ وحی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپؐ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کے بعد جو نجاشی تخت نشین ہوا وہ عیسائی تھا۔

حضرت سلیط بن عمر بن عبد شمس رضی اللہ عنہ رؤسائے یمامہ کی طرف بھیجے گئے۔ یمامہ جزیرہ نمائے عرب ہی کا شمال مشرقی علاقہ ہے۔ آج کل یہ علاقہ نجد میں شامل ہے۔
حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ حدودِ شام میں حارث غسانی کے پاس بھیجے گئے۔ شام بھی اُس وقت سلطنت روما کے زیرِ حکومت تھا اور وہاں قیصر کی طرف سے غسانی خاندان حکمران تھا۔ گویا کہ شام کی وہی پوزیشن تھی جو انگریزی دورِ حکومت میں برِّصغیر کی بڑی ریاستوں کو حاصل تھی۔ ان کے علاوہ بعض دیگر رؤساء و سرداران کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے۔

ان نامہ ہائے مبارک کے نتیجہ میں سلاطین کی جانب سے مختلف ردعمل سامنے آئے۔ ایک طرف ان بادشاہوں اور حکمرانوں کا ردعمل ہے جو مذہباً عیسائی تھے۔ ان کے مقابلہ میں بالکل برعکس ردعمل کسریٰ ایران کا ہے۔ وہ مجوسی تھا' مشرک تھا اور وحی و نبوت اور اُمورِ رسالت سے بالکل نابلد اور ناواقف تھا' جبکہ عیسائیوں کا

معاملہ یہ تھا کہ وہ اہل کتاب تھے' ان کے پاس تورات اور انجیل موجود تھی۔ وہ حضرت ابراہیم' حضرت اسحٰق' حضرت اسمٰعیل' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ناموں سے واقف تھے اور ان سب پر ایمان رکھتے تھے۔ قیصر روم کے بارے میں مستند تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بہت بڑا عالم تھا۔

قیصرِ روم کے نام حضور ﷺ کا نامۂ مبارک

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ جو قیصر روم کے نام حضور ﷺ کا نامہ مبارک لے کر چلے تھے جب دمشق کے قریب بصریٰ کے مقام پر پہنچے جو غسانیوں کا دارالحکومت تھا تو ان کو پتہ چلا کہ قیصر ان دنوں یروشلم میں ہے۔ اُس وقت اس خاندان کا رئیس حارث غسانی تھا۔ حارث غسانی نے حضرت دحیہؓ کو قیصر کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کا نامۂ مبارک لے کر یروشلم پہنچ گئے۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک جب قیصر کو پہنچا تو چونکہ وہ خود توراۃ و انجیل کا عالم تھا لہٰذا خط پڑھتے ہی جان گیا کہ یہ وہی آخری رسول ہیں کہ جن کی بعثت کی ہمارے یہاں پیشین گوئیاں موجود ہیں ـــــ آخر وہ بھی شام کا عیسائی راہب ہی تھا جس نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دے کر مدینہ کی طرف بھیجا تھا کہ میرا علم بتاتا ہے کہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا وقت آگیا ہے اور ان کی بعثت عرب کے ریگستان اور کھجوروں کے جھنڈ میں ہوگی۔ معلوم ہوا کہ یہ بات عیسائیوں کے خدا ترس رہبان و احبار جانتے تھے کہ آخری نبی کے ظہور کا وقت اب قریب ہے ـــــ قیصر نے اس خیال کا اظہار کیا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ آخری نبی کا ظہور شام میں ہوگا' مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ ان کی بعثت عرب میں ہوگی۔ نبی اکرم ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر اور آپؐ کو پہچان کر قیصر کا جو طرزِ عمل سامنے آتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ چاہتا تھا کہ اگر میری پوری مملکت ایمان لے آئے تو گویا ہم اجتماعی طور پر (En Bloc) مسلمان ہو جائیں گے' اور اس طرح میری مملکت بھی قائم رہے گی اور

ہری حکومت بھی برقرار رہے گی۔

گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ غیر عرب غیر مسلموں کے لئے مسلمانوں کی تین شرطیں ہوتی تھیں۔ ایک یہ کہ اگر تم ایمان لے آؤ تو تم ہمارے بھائی ہو گے' تمہاری تمام املاک' تمہاری عزت و آبرو الغرض تمہاری ہر شے محفوظ اور برقرار (Intact) رہے گی۔ تمہیں وہ تمام حقوق مساوی طور پر حاصل ہوں گے جو بحیثیت مسلمان ہم کو حاصل ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ منظور نہیں اور تم ایمان نہیں لاتے تو چھوٹے یعنی ماتحت اور ذمی بن کر رہو اور جزیہ ادا کیا کرو : ﴿. . . یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ ملکی قانون (Law of the land) بہرصورت اسلام کا ہو گا۔ ہاں کسی کو بزورِ شمشیر اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ تمام غیر مسلموں کو ان کے احوالِ شخصیہ (Personal law) میں پوری آزادی ہو گی' حتیٰ کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق پوجا پاٹ کا جو طریقہ اختیار کرنا چاہیں اس میں اسلامی حکومت کوئی مداخلت نہیں کرے گی ـــــ اور تیسرے یہ کہ اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر میدان میں آؤ' ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ ان تین کے سوا چوتھی اور کوئی صورت نہیں ہے۔

قیصر کی اس خواہش اور کوشش کا بھی ایک تاریخی پس منظر ہے کہ اس کے عمائدین سلطنت اور اس کی رعیت مجموعی طور پر ایمان لے آئے اور اسلام کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ جن لوگوں نے یورپ اور خاص طور پر عیسائیت کی تاریخ پڑھی ہے' ان کے علم میں ہو گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع سماوی کے قریباً ساڑھے تین سو برس بعد رومۃ الکبریٰ (موجودہ اٹلی) کے شہنشاہ کنسٹنٹائن (قسطنطین) اور اس کی پوری رعایا نے مجموعی طور پر (En Bloc) عیسائیت قبول کر لی تھی۔ لہٰذا کسی نوعِ کا اعتقادی یا سیاسی مسئلہ اور تنازعہ کھڑا نہیں ہوا اور قسطنطین کی شہنشاہیت جوں کی توں برقرار رہی۔ اسی سبب سے ایک طرف یورپ میں عیسائیت نے فروغ پایا اور دوسری طرف شہنشاہِ روم نے اپنا پایۂ

تخت روم کو چھوڑ کر استنبول کو قرار دیا۔ چنانچہ اس کے نام پر اس شہر کا نام قسطنطنیہ رکھا گیا۔ وہاں سے اس نے ایشیائے کوچک اور شمالی افریقہ پر فوج کشی کی اور عیسائیت کو فروغ دینے کی مہمات شروع کیں جن میں اس کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ـــــ اس تاریخی تناظر میں دیکھئے تو قیصر کا طرز عمل سمجھ میں آتا ہے۔ چنانچہ نامہ مبارک کے ذریعے حضورؐ کو پہچان لینے کے بعد اس نے چاہا کہ اس کی پوری مملکت اسی طرح اسلام کو قبول کرے جیسے قریباً ساڑھے تین سو سال قبل پوری سلطنت روم نے عیسائیت کو بطور مذہب اختیار کر لیا تھا تاکہ اس کی حکومت قائم و برقرار رہے۔

لیکن اس کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ اس کے لئے تدبیر کیا ہو؟ اس کے دربار میں بڑے بڑے جغادری عیسائی علماء موجود تھے' قِسّیسین تھے' بطریق تھے' تمام عمائد و اعیانِ حکومت تھے' پھر فوج تھی' اب ان سب کو کس طرح راضی کیا جائے؟ ان منصب داروں اور امراء (Lords) کے بل پر اس کی حکومت قائم تھی۔ لہٰذا جب تک یہ لوگ مطمئن ہو کر ایمان نہ لائیں اس کی حکومت کو خطرہ لاحق تھا۔ اس نے کچھ دیر توقف کیا' ایک تدبیر اس کے ذہن میں آئی' اس نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ ان دنوں عربوں کا کوئی تجارتی قافلہ تو یہاں نہیں آیا؟ بتایا گیا کہ عربوں کا ایک تجارتی قافلہ اس علاقے میں آیا ہوا ہے اور فی الوقت غزہ میں مقیم ہے۔ قیصر نے فوراً قاصد بھیج کر قافلے کے لوگوں کو یروشلم بلا لیا۔ اس قافلہ کے رئیس ابو سفیان تھے جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔

ہرقل قیصر روم نے ایک عالی شان دربار منعقد کیا۔ اس موقع پر بیت المقدس میں اس کے جو اعیان و عمائد مملکت اور سپہ سالار موجود تھے' ان کو جمع کیا۔ پھر بطارقہ' قِسّیسین اور اَحبار و رُہبان کی صفیں لگوائیں اور دربار میں ابو سفیان کو ان کے ہمراہیوں سمیت بلایا گیا۔ پہلے تو دربار میں نبی اکرم ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا گیا۔ (اس نامہ گرامی کا متن ابن ہشام اور طبری نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا

ہے اور بحمد اللہ یہ نامہ مبارک اپنی اصل حالت میں اب بھی قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔)

نبی اکرم ﷺ کے نامہ مبارک کی عبارت یہ ہے :

((مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرْقل عَظِيْمِ الرُّوْمِ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّى اَدْعُوكَ بِدعايَةِ الاسْلَامِ، اَسْلِمْ تَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْاَرِيسِيِّيْنَ، و يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ))

"محمد (ﷺ) کی طرف سے، جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہرقل کے نام جو روم کا رئیس اعظم ہے۔ سلامتی ہے ہر اُس شخص کے لئے جس نے ہدایت (ربانی) کی پیروی کی۔ اس کے بعد (اے رئیس اعظم!) میں تجھے دعوتِ اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اسلام قبول کر لے تو تُو سلامت رہے گا۔ (بلکہ) اللہ تعالیٰ تجھے دہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر تُو نے (قبول کرنے سے) اعراض کیا (تو نہ صرف تو اکیلا مجرم ٹھہرے گا بلکہ) اہل ملک کا گناہ (بھی) تیرے اوپر ہو گا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف پیش قدمی کرو جو ہمارے اور تمہارے مابین مساوی ہے، (وہ) یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں اور نہ ہی ہم اس ہستی کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو (اپنا) پروردگار تسلیم کرے۔ پس اگر وہ (اہل کتاب دعوتِ اسلام کو قبول کرنے سے) اعراض کریں تو (اے مسلمانو!) تم (انہیں) کہہ دو کہ (اے اہل کتاب ہمارے معاملہ میں) تم گواہ رہو کہ ہم تو (ہر حال میں اس دعوت پر) سرِ تسلیم خم کر دینے

والے ہیں۔"

نامۂ مبارک کے چند اہم نکات

نامہ مبارک میں حضور ﷺ نے جو یہ بات رقم کرائی کہ : ((یُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ)) تو حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اہل کتاب میں سے جو مجھ پر ایمان لاتا ہے' اسے اللہ دوہرا اجر دیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ پہلے نبیوں اور رسولوں کو ماننے والا بھی تھا اور اب وہ مجھ پر بھی ایمان لے آیا ہے۔ آگے جو حصہ ہے کہ : ((فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمُ الاَرِيسِيِّيْنَ)) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی حیثیت ایسی ہوتی ہے جیسے قیصر روم کی تھی کہ اگر وہ ایمان لے آتا تو چاہے پوری رعیت ایمان نہ لاتی لیکن لاکھوں لوگ تو ایمان لے آتے' چنانچہ ان کا اجر بھی اس کے حصہ میں آتا۔ لیکن اس نے روگردانی کی جس کے باعث رومی دولت ایمان سے محروم ہو گئے تو ان کا وبال بھی قیصر کے حصہ میں آئے گا۔ اس لئے کہ کسی ملک' کسی قوم' کسی قبیلہ کے سربراہ کفر پر اڑے رہیں تو وہ دعوتِ اسلامی کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوتے ہیں۔ جو بھی نظامِ باطل کسی جگہ قائم ہوتا ہے تو وہ نظامِ حق کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ نے اس بات کو ایک مختصر سے جملہ میں نہایت بلاغت و فصاحت کے ساتھ سمو دیا۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۶۴ اپنے نامہ مبارک میں درج کرائی ہے۔ اکثر اہل علم کی رائے ہے کہ قرآن مجید میں اہل کتاب کو توحید کی دعوت اور اسلام کا پیغام دینے کے جتنے بھی اسالیب آئے ہیں ان میں اس آیت کا اسلوب نہایت بلیغ اور مؤثر ترین ہے۔ نجران سے جب عیسائی اَحبار و رُہبان کا ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اسلام کی دعوت سمجھنے کے لئے آیا تھا تو اس موقع پر حضورؐ پر جو وحی نازل ہوئی تھی' اس میں یہ آیت مبارکہ بھی شامل ہے۔ اس سے اس کی عظمت' اس کے جلال' اس کی تاثیر اور اس کے محکم ہونے کا

اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس آیت کا ایک ٹکڑا ہے : ﴿ وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ "ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب نہ بنا لے۔" اللہ کے سوا جن ہستیوں کو رب بنایا جاتا ہے ان میں مذہبی رب بھی ہوتے ہیں' جیسے اصنام اور مظاہرِ قدرت کی پرستش' اوتار' حلول اور اسی نوع کے دوسرے عقائد ـــــ اور سیاسی نوعیت کے رب بھی ہوتے ہیں۔ یعنی جسے بھی اللہ کے سوا مختار و مطاعِ مطلق تسلیم کر لیا جائے وہی تسلیم کرنے والوں کا رب ہے۔ درحقیقت فرعون و نمرود نے خدائی کا دعویٰ اسی اعتبار سے کیا تھا کہ وہ بادشاہ اور حاکمِ مطلق ہیں' چنانچہ وہ اپنی رعیت کے رب اور خدا ہیں۔ یہ دراصل سیاسی شرک ہے۔ آج جو لوگ عوام کی مطلق حاکمیت کے نظریہ کے حامی اور پرچارک ہیں وہ اسی سیاسی شرک میں مبتلا ہیں۔ لیکن عظیم اکثریت کو اس کا شعور حاصل نہیں ہے۔

قیصر اور ابوسفیان کا مکالمہ

اس کے بعد قیصر اور ابوسفیان کے مابین جو مکالمہ ہوا اس پر غور کریں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ ہرقل نے ابوسفیان سے بالکل اسی انداز میں جرح کی جیسے وکلاء بحث و جرح کرتے ہوئے حقائق و دلائل کو واضح کرنے کے لئے Suggestive Questions کرتے ہیں۔ یعنی ایسے سوالات کہ جن کے جوابات کے ذریعے از خود جرح کرنے والے کے موقف کی تائید ہوتی چلی جائے اور بات اس انداز میں کھل کر سامنے آجائے کہ سامعین کے لئے حق کو پہچان لینا بالکل آسان ہو جائے۔ ابوسفیان سے ہرقل نے جس گہرائی کے ساتھ سوالات کئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس پایہ کا عالم تھا اور یہ کہ وہ حضور ﷺ کو نبی آخر الزمان کی حیثیت سے پہچان چکا تھا۔ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کا ایک قول ملتا ہے' جو ایمان لانے کے بعد کا ہے کہ خدا کی قسم اس مکالمہ کے دوران کئی بار میرا جی چاہا کہ میں جھوٹ بول دوں' اس لئے کہ قیصر کے سوالات مجھے گھیرتے چلے جا رہے تھے اور میں محسوس کر رہا

تھا کہ میرے پاؤں تلے سے زمین کھسک رہی ہے ـــــ لیکن میں نے سوچا کہ میرے ساتھی کیا کہیں گے کہ قریش کا اتنا بڑا سردار جھوٹ بول رہا ہے۔ چنانچہ میں جھوٹ نہیں بول سکا۔ اس بات سے عربوں کی یہ ایک مزاجی خصوصیت سامنے آتی ہے کہ دورِ جاہلیت میں بھی بے شمار برائیوں کے باوجود ان میں چند اعلیٰ انسانی اوصاف موجود تھے۔ مکالمہ ملاحظہ فرمایئے۔

قیصر ـــــ مدّعیٔ نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابو سفیان ـــــ شریف ہے۔

قیصر ـــــ اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابو سفیان ـــــ نہیں۔

قیصر ـــــ اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابو سفیان ـــــ نہیں۔

قیصر ـــــ جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے' وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحبِ اثر؟

ابو سفیان ـــــ کمزور لوگ ہیں۔

قیصر ـــــ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں؟

ابو سفیان ـــــ بڑھتے جا رہے ہیں۔

قیصر ـــــ کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہوا ہے؟

ابو سفیان ـــــ نہیں۔

قیصر ـــــ وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابو سفیان ـــــ ابھی تک تو نہیں کی' لیکن اب جو نیا معاہدۂ صلح ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔

قیصر ـــــ تم لوگوں نے اس سے کبھی جنگ بھی کی؟

ابو سفیان ـــــ ہاں۔

قیصر ـــــ نتیجۂ جنگ کیا رہا؟

ابو سفیان ـــــ کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔

قیصر ـــــ وہ کیا سکھاتا ہے۔

ابو سفیان ـــــ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو۔

علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ اس مکالمہ کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے یہ تبصرہ کیا :

"تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر اچھے خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا، وہ خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے (تو) پیغمبر کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ و عفاف کی ہدایت کرتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھے یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہو گا۔ اگر میں وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔"

یہ ہے ہرقل قیصر روم کا تبصرہ جو کتب سیر میں محفوظ ہے۔

قیصر کی بدبختی

اب اصل امتحان آتا ہے جرأت کا، ہمت کا، قربانی کا، ایثار کا۔ اور اس بات کا کہ انسان حق کے لئے کیا کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ اس مکالمہ کے دوران

قیصر نے محسوس کیا کہ جیسے جیسے گفتگو آگے بڑھ رہی ہے اور درباریوں کو اندازہ ہوتا جا رہا ہے کہ قیصر کا جھکاؤ اسلام کی جانب ہے اسی نسبت سے دربار میں موجود بطارقہ اور احبار و رہبان کے تنفس اندرونی غیظ و غضب کے باعث پھول رہے ہیں' اور برہمی و غصہ سے ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی ہیں اور اسی طرح اس نے اپنے عمائد و اعیانِ حکومت اور اپنے سپہ سالاروں کے تیور بگڑتے ہوئے دیکھے تو اسے اپنے اقتدار کو خطرہ محسوس ہوا۔ چنانچہ اس صورت حال سے خوف زدہ ہو کر اس نے عربوں کو دربار سے اٹھا دیا اور رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو کسی جواب کے بغیر واپس جانے کا حکم سنا دیا۔ ورنہ قرائن بتاتے ہیں کہ اس کے دل میں نورِ ایمان کی کرن پہنچ چکی تھی لیکن تاج و تخت' اقتدار و حکومت اس کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں اور حق کی روشنی بجھ گئی۔ اقتدار' حکومت' غلبہ' قیادت و سیادت اور تکبر وہ چیزیں ہیں جو حق کو تسلیم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹیں بن جایا کرتی ہیں۔ قرآن مجید میں یہود کے علماء کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ کہ یہ محمد (ﷺ) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ لیکن پہچاننا اور ہے' ماننا اور ہے۔ پھر محض زبانی ماننا اور ہے' دل سے یقین کرنا اور ہے۔ یہ تو کئی مراحل ہیں ع زعشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است! راہِ حق میں تو بڑی بڑی رکاوٹیں' بڑے بڑے موانع اور بڑے بڑے امتحانات آتے ہیں۔ پس قیصر کی سلطنت و حکومت اس کے پاؤں کی بیڑی بن گئی' وہ ایمان نہیں لایا اور محروم رہ گیا۔ بہرحال حضور ﷺ کے نامہ ہائے مبارک کے جواب میں عیسائی بادشاہوں کی جانب سے یہ ایک نمائندہ طرزِ عمل تھا۔

دیگر سلاطین کے نام حضورؐ کے نامہ ہائے مبارک

عزیز مصر (مقوقس) : اُس وقت مصر میں مقوقس نامی شخص کی حکومت تھی جو قیصر روم کے زیر اثر تھا۔ موجودہ اسکندریہ اس کا دارالحکومت تھا۔ قیصر کی طرح

مقوقس بھی عیسائی تھا اور صاحبِ علم شخص تھا۔ وہ ایمان تو نہیں لایا لیکن اس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا اعزاز و اکرام کیا اور حضور ﷺ کے نامہ مبارک کے جواب میں عربی میں یہ خط لکھا :

لِمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مِنَ الْمُقَوْقَسِ عَظِيمِ الْقِبْطِ ' سَلَامٌ عَلَيْكَ'
اَمَّا بَعدُ فَقَدْ قَرَاْتُ كِتَابَكَ وَفَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ فِيْهِ وَمَا تَدْعُوْا
اِلَيْهِ' وَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّ نَبِيًّا بِقَى وَكُنْتُ اَظُنُّ اَنْ يَخْرُجَ مِنَ
الشَّامِ' وَقَدْ اَكْرَمْتُ رَسُوْلَكَ وَبَعَثْتُ اِلَيْكَ بِجَارِيَتَيْنِ لَهُمَا
مَكَانٌ مِنَ الْقِبْطِ عظيمٌ وَكِسْوَةً وَاَهْدَيْتُ اِلَيْكَ بَغْلَةً لِتَرْكَبَهَا'
وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ

(ترجمہ) "محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے۔ سلام علیک کے بعد: میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا۔ مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے' لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی۔ اور آپ کی طرف دو لڑکیاں بھیجتا ہوں' جن کی قبطیوں (مصر کی قوم) میں بہت عزت کی جاتی ہے۔ اور میں آپ کے لئے پوشاک اور سواری کے لئے ایک خچر (بطور ہدیہ) بھیج رہا ہوں۔ والسلام"

مقوقس نے جو دو لڑکیاں بھیجی تھیں' وہ کنیزیں یا لونڈیاں نہیں تھیں بلکہ شاہی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ دونوں اثناءِ سفر ہی میں حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی تبلیغ و تعلیم سے ایمان لے آئی تھیں۔ ان میں ایک حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے حرم میں شامل ہوئیں۔ دوسری جن کا نام سیرین تھا حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ یہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ خچر کا نام دلدل تھا۔ جنگِ حنین میں حضور اکرم ﷺ اسی پر سوار تھے۔

نجاشی شاہِ حبشہ : علامہ شبلیؒ نے اپنی تحقیق کے مطابق نجاشی کے متعلق جو

لکھا ہے' وہ درج ذیل ہے :

"نجاشی بادشاہ حبش کو آپؐ نے دعوت اسلام کا جو خط بھیجا' اس کے جواب میں اس نے عریضہ بھیجا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں"۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے یہیں موجود تھے۔ نجاشی نے ان کے ہاتھ پر بیعت اسلام کر لی۔ ابن اسحٰق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں عرض نیاز کے لئے بھیجا' لیکن جہاز ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہو گئی۔"

علامہ شبلیؒ نے یہ روایت طبری کے حوالے سے لکھی ہے۔ آگے علامہؒ لکھتے ہیں :

"عام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی' آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف رکھتے تھے اور یہ خبر سن کر آپؐ نے غائبانہ اس کے جنازے کی نماز پڑھائی' لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ آپؐ نے پڑھی وہ یہ نہ تھا۔" (واللہ اعلم)

ان تین عیسائی بادشاہوں کے طرزِ عمل کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ انہوں نے نہ تو نبی اکرم ﷺ کے قاصدوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی اور نہ ہی حضورؐ کے نامہ گرامی کی کوئی توہین کی' بلکہ ہرقل قیصر روم کے رویہ سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح اس کی پوری مملکت اجتماعی طور پر اسلام کی دعوت قبول کرے لیکن اس کوشش میں وہ ناکام ہو گیا اور اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر دولتِ ایمان سے محروم رہ گیا۔

کسریٰ ایران : ایران میں اُس وقت خسرو پرویز فرمانروائے سلطنت تھا اور پچھلے شہنشاہوں کے طرح "کسریٰ" کے لقب سے ملقّب تھا۔ اس کا طرز عمل عیسائی بادشاہوں کے بالکل برعکس تھا۔ وہ مجوسی یعنی آتش پرست تھا اور وحی' نبوت اور رسالت کے بارے میں قطعی لاعلم تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھ کر وہ نہایت برہم ہو گیا اور اس نے نہایت تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا۔ اس کے نام حضور

ﷺ کا نامۂ مبارک جو علامہ شبلی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، درج ذیل ہے :

((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ' مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ فَارِس' سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَاٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَشَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّى رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا' اَسْلِمْ تَسْلِمْ فَاِنْ اَبَيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ))

"خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے، محمد پیغمبر خدا کی طرف سے کسریٰ رئیسِ فارس کے نام، سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو اور اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور یہ کہ اللہ نے مجھے تمام دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے۔ تُو اسلام قبول کر لے تُو سلامت رہے گا ورنہ مجوسیوں (کے اسلام قبول نہ کرنے) کا وبال بھی تیری گردن پر ہو گا۔"

خسرو پرویز کا غرور اور گستاخی : بادشاہت کا نشہ ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ عام طور پر ہر بادشاہ مغرور ہو ہی جاتا ہے، لیکن خسرو پرویز بہت زیادہ مغرور تھا۔ اس کے دور میں دربار شاہی کو جو عظمت و شوکت اور جلال حاصل ہوا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اس کے نام رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک لے کر حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ گئے تھے۔ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھے جاتے تھے ان میں بادشاہ کا نام پہلے ہوتا تھا اور مکتوب نگار کا بعد میں۔ حضور ﷺ کے نامہ مبارک کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے بسم اللہ پھر خود حضورؐ کا اسم گرامی تھا اور پھر کسریٰ کا نام تھا۔ یہ دیکھ کر کسریٰ آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے غیظ و غضب سے مغلوب ہو کر نہایت گستاخانہ رویہ اختیار کیا۔ نقل کفر کفر نہ باشد، اس نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ اگر تم قاصد نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا، تمہارے صاحب کی یہ جرأت کہ میرے غلام ہوتے ہوئے میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھا۔ ایسا گستاخ شخص! میں ابھی اس کی

گرفتاری کا فرمان جاری کرتا ہوں اور اسے بلوا کر اپنے دربار میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اُڑا دوں گا[1]۔ ان گستاخانہ کلمات کے ساتھ اس نے نبی اکرم ﷺ کا نامۂ مبارک چاک کر ڈالا[2]

نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئی : بعد میں جناب رسول اللہ ﷺ کو خسرو پرویز کی اس گستاخی کی خبر پہنچی تو آپؐ نے بطور پیشین گوئی فرمایا کہ "اس نے میرا خط نہیں پھاڑا' اپنی سلطنت کے پُرزے اُڑا دیئے"۔ اُس وقت عالم واقعہ میں تو کیفیت یہ تھی کہ سلطنت کسریٰ موجود تھی' اس کی لاکھوں کی فوج تھی' اس کی سلطنت لاکھوں میل پر پھیلی ہوئی تھی' اس کی سطوت' شان و شوکت اور رعب و دبدبہ مرعوب کن تھا۔ اس کے پرزے تو کئی سال بعد خلافتِ فاروقی کے دور میں ہونے شروع ہوئے اور اس کی تکمیل حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کے ابتدائی تین چار سالوں میں ہوئی۔ لیکن حضور ﷺ نے اسی وقت پیشین گوئی فرمادی کہ کسریٰ کی سلطنت کے پرخچے اُڑ جائیں گے اور اس کا نام تک باقی نہیں رہے گا۔

خسرو پرویز کا انجام : خسرو پرویز نے حضور ﷺ کے قاصد اور آپؐ کے نامۂ مبارک کے ساتھ گستاخی پر ہی بس نہیں کیا بلکہ اس نے یمن میں اپنے گورنر کو جو ایرانی تھا' فرمان بھیجا کہ "یہ مدینہ کا کون گستاخ شخص ہے جس نے میری شان میں ایسی گستاخی کی ہے اور جو نبوت کا مدعی ہے' اسے فوراً گرفتار کر کے میرے دربار میں حاضر کرو"۔ بازان گورنر یمن نے اپنے دو گماشتوں کو مدینہ بھیجا۔ ان دونوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر کہا کہ ہمارے شہنشاہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔ اگر آپ حکم کی تعمیل نہیں کریں گے تو وہ آپ کو اور آپ کے پورے ملک کو تباہ و برباد

---

(۱) یمن میں اُس وقت ایران کی حکومت تھی اور ایران کے بادشاہ پورے عرب کو آزاد قبائل کا علاقہ سمجھتے تھے اور اسے اپنی قلمرو کا حصہ گردانتے تھے۔

(۲) واضح رہے کہ اُس وقت کسریٰ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے نامۂ مبارک کا ترجمہ تھا جسے اس نے چاک کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کا اصل نامۂ مبارک محفوظ رہا۔ (مرتب)

کر کے رکھ دے گا۔ اس پر حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ تمہارا بادشاہ رات کو اپنے بیٹے (شیرویہ) کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ اب تم واپس جاؤ اور اپنے گورنر سے کہہ دینا کہ جلد ہی اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی۔ چنانچہ خسرو پرویز کا یہ انجام ہوا کہ اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا' جس کی خبر حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے پہنچائی۔

قیصر و کسریٰ کے انجام میں ایک نمایاں فرق : نبی اکرم ﷺ کے دورِ سعید ہی میں اُس دَور کی دونوں عظیم سلطنتوں یعنی روم و فارس سے مسلمانوں کی چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تھی' جس نے حضرت ابو بکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں باقاعدہ جنگوں کی صورت اختیار کر لی' جن کے دو علیحدہ علیحدہ نتائج نکلے۔ وہ یہ کہ جہاں تک قیصر روم کا تعلق ہے تو اگرچہ وہ شام کے تمام علاقوں سے بالکل بے دخل کر دیا گیا تھا۔ اور شمالی افریقہ کے تمام علاقے از مصر تا مراکش اس کی فرمانروائی میں نہیں رہے تھے لیکن اس کی حکومت بالکل ختم نہیں ہوئی' بلکہ ایشیائے کوچک کے تھوڑے سے علاقے اور بلقان کی ریاستوں میں اس کا اقتدار قائم رہا۔ قسطنطنیہ جو اس کا پایۂ تخت تھا وہ بعد میں پندرھویں صدی عیسوی میں ترکانِ عثمانی کے ہاتھوں فتح ہوا۔ خلافتِ راشدہ میں اس کی حکومت کا بالکل ختم نہ ہونا اس کے اس رویہ کی برکت تھی جو اس نے نبی اکرم ﷺ کے نامۂ مبارک کے بارے میں اختیار کیا تھا۔ اس کے برعکس خلافتِ فاروقی میں کسریٰ کی حکومت قریباً ختم ہو چکی تھی جس کا خلافت عثمانیہ میں نام بھی باقی نہیں رہا۔ یزدگرد مارا گیا اور وہ پورا علاقہ جو کسریٰ عظیم فارس کے زیر نگیں تھا اسلامی حکومت کا جزو بن گیا۔ یہ انجام تھا اس گستاخانہ رویے کا جو خسرو پرویز نے حضور ﷺ کے نامہ مبارک کو چاک کرنے کی صورت میں کیا تھا۔ یہ ایک نمایاں فرق ہے جو ہمیں تاریخ اسلام کے قرنِ اول میں نظر آتا ہے۔

بیرونِ عرب مسلّح تصادم کا آغاز

غزوۂ موتہ

صلح حدیبیہ کے بعد ۷ھ کے بالکل اوائل میں حضور ﷺ نے ان رؤساءِ عرب کے نام بھی نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے تھے جو عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں آباد تھے۔ ان میں غسان کا قبیلہ تعداد میں بھی بڑا تھا اور کافی طاقت ور بھی تھا۔ اس قبیلہ کے لوگ اگرچہ عرب تھے' لیکن ایک مدت سے عیسائی تھے۔ یہ قبیلہ قیصر روم کے ماتحت اور اس کا باج گزار تھا۔ اس وقت قبیلہ کا رئیس و حکمران شُرَحبیل بن عمرو نامی شخص تھا۔ اس کے پاس حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ بطورِ قاصد حضور ﷺ کا نامہ مبارک لے کر گئے تھے۔ اس بدبخت نے حضور ﷺ کے قاصد کو شہید کر دیا۔ حضورؐ نے انؓ کے خون کے قصاص کے لئے تین ہزار کا لشکر تیار کر کے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں شام کی طرف بھیجا۔ اس لشکر کا سپہ سالار حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور پہلے ہی سے معین کر دیا کہ اگر ان کو دولتِ شہادت نصیب ہو تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی) سپہ سالار ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں حضرت زید بن رواحہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار ہوں گے جو انصاری تھے اور مشہور شاعر تھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو لشکر کی سرداری اور سپہ سالاری کس بنا پر سپرد کر گئی ہے۔ لیکن اسلام جس مساواتِ عام کو قائم کرنے کیلئے آیا تھا اس کیلئے یہ عملی نظیر ضروری تھی تاکہ لوگوں میں ایثار کا جذبہ پیدا ہو اور امیر خواہ کوئی بھی ہو اس کی اطاعت فی المعروف کی تربیت حاصل ہو ـــــ مرض وفات کے شروع ہونے سے قبل حضور ﷺ نے انہی زیدؓ بن حارثہ کے فرزند حضرت اُسامہؓ کو اس لشکر کا

افسروامیر مقرر کیا تھا جو شام کی سرحدوں کی طرف بھیجا جانے والا تھا۔ حضرت اُسامہؓ کی ماتحتی میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی شامل تھے۔ حضور ﷺ نے مساواتِ انسانی کے محض وعظ ارشاد نہیں فرمائے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس طور پر تزکیہ فرمایا تھا کہ وہ لوگ جو نسلی اور قبائلی تفاخر کو حرزِ جان بنائے رکھتے تھے ایک کنگھی کے دندانوں کی طرح باہم مربوط اور بنیانِ مرصوص بن گئے تھے۔ سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اسی نوع کے واقعات کو دیکھ کر ایچ جی ویلز جیسے دشمن اسلام کو بھی یہ لکھنا پڑا کہ "مساواتِ انسانی' اخوت اور حریت پر نہایت بلند پایہ مواعظ تو حضرت مسیح (علیہ السلام) کے یہاں بھی ملتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اِن اُصولوں پر دُنیا میں سب سے پہلا عملی معاشرہ محمد (ﷺ) نے قائم فرمایا۔

اگرچہ یہ مہم قصاص لینے کے لئے بھیجی گئی تھی' لیکن چونکہ تمام مہمات کا بنیادی و حقیقی مقصد اسلام کی تبلیغ و دعوت تھا اس لئے لشکر کی روانگی سے قبل اسے حضور ﷺ نے ہدایات دیں اور ارشاد فرمایا کہ راہ میں جو قبائل آباد ہیں ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور شُرَحبیل بن عمرو غسانی کو بھی پہلے اسلام کی دعوت دی جائے۔ اگر وہ قبول کرلے تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فوج کے ساتھ مدینہ سے باہر کچھ دُور تک بنفسِ نفیس تشریف لے گئے۔

اِدھر مدینہ میں مسلمانوں کا لشکر ترتیب پا رہا تھا اور اُدھر جاسوسوں نے شُرَحبیل کو خبر کردی۔ چنانچہ شُرَحبیل نے اس لشکر کے مقابلہ کے لئے قریباً ایک لاکھ کی فوج تیار کی' کیونکہ اسے معلوم تھا کہ معاملہ قصاص اور انتقام کا ہے' لہٰذا جنگ ضرور ہوگی۔ پھر خود قیصر روم (ہرقل) ایک بہت بڑی فوج لے کر غسانیوں کے دارالحکومت بصریٰ سے چند میل کے فاصلہ پر آکر بیٹھ گیا تاکہ اگر غسانی شکست کھائیں تو وہ ان کی مدد کے لئے اپنی فوج لے کر پہنچ جائے۔ اہل ایمان کے لشکر کو جب غسانیوں کی تیاری اور اس کی پشت پر ہرقل کی فوج کی موجودگی کا علم ہوا تو مشورہ ہوا

کہ ان حالات میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ کہاں صرف تین ہزار اور کہاں ایک لاکھ! گویا ایک اور تینتیس کی نسبت بن رہی تھی، چنانچہ مشورہ ہوا کہ دریں حالات مقابلہ کا خطرہ (Risk) مول لینا چاہئے یا حضور ﷺ کو اطلاع دی جائے اور توقف کر کے آپؐ کے حکم کا انتظار کیا جائے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن!

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہی تھی کہ ہمیں سردست مقابلہ نہیں کرنا چاہئے اور حضورؐ کے حکم کا انتظار کرنا چاہئے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ اٹھے اور انہوں نے تقریر کی کہ مسلمانو! ہم دنیا کے طالب ہو کر نہیں نکلے، فتح اور شکست سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہم تو شہادت کے متمنی ہیں، اللہ نے ہمیں یہ موقع فراہم کیا ہے تو ہم تاخیر کیوں کریں؟"۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ فیصلہ ہو گیا کہ مقابلہ کیا جائے گا ـــــ چنانچہ تصادم ہو گیا۔ اب کہاں تین ہزار کہاں ایک لاکھ! لیکن جوشِ ایمانی اور شوقِ شہادت سے سرشار یہ مختصر سا لشکر ایک لاکھ کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عَلَم اپنے ہاتھ میں لیا۔ ان کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ جب انہوں نے عَلَم سنبھالا اور لشکر ان کی قیادت میں آیا تو گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کی ٹانگوں پر تلوار ماری اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تاکہ گھوڑے پر بیٹھ کر فرار ہونے کا خیال بھی دل میں نہ آئے۔ پھر نہایت بے جگری سے دشمنوں کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ ایک ہاتھ قلم ہوا تو دوسرے ہاتھ میں عَلَم تھام لیا۔ وہ بھی قلم ہوا تو باقی ماندہ بازوؤں سے جھنڈا آغوش میں لے لیا تاکہ عَلَم ان کے جیتے جی زمیں بوس نہ ہو۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ حضرت جعفرؓ زخموں سے چور چور ہو کر زمین پر گرے اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ جعفرؓ کو اللہ تعالیٰ نے کٹے ہوئے دو بازوؤں کی جگہ دو پر عطا فرما دیئے ہیں جن سے وہ جنت میں اُڑتے پھر رہے ہیں۔ اسی وقت سے آپ کا لقب "طیار" قرار پایا اور وہ جعفر طیار کے نام سے موسوم ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' جو اس غزوہ میں شریک تھے' ان کا بیان ہے کہ میں نے جعفرؓ کی لاش بعد میں خود دیکھی تھی' اس پر تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم تھے' لیکن سب سامنے کی طرف تھے' پشت پر کوئی زخم نہیں تھا۔ یہ تھے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی

جناب رسول اللہ ﷺ نے ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یکے بعد دیگرے سپہ سالار نامزد کیا تھا' لیکن مزید کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔ چنانچہ جب وہ تینوں شہید ہو گئے تو اب مسلمانوں کے لشکر میں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کمان سنبھالی اور نہایت بہادری اور بے جگری سے لڑے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس غزوہ میں ان کے ہاتھ سے آٹھ تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر گریں [1]۔ لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا مقابلہ تھا۔ اس نازک صورت حال میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ ایسی جنگی چال کے ذریعے رومیوں کو مرعوب کر کے اتنی کامیابی کے ساتھ

---

(۱) صحیح بخاری میں "غزوۂ موتہ" کے باب میں حدیث ہے کہ جنگ موتہ کی خبر وحی کے ذریعہ سے حضور ﷺ کو مل رہی تھی۔ آپؐ نے ازروئے وحی فرمایا "اب اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد بن ولید سیف من سیوف اللہ نے مسلمانوں کا علم اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا"۔ حدیث میں الفاظ آئے ہیں کہ "فتح اللہ علیھم" غلبہ اور فتح کی تشریح میں ارباب سیر اور اہل روایت کی مختلف آرا ملتی ہیں۔ مولانا شبلیؒ نے ان کو اپنی تالیف سیرۃ النبیؐ میں "غزوہ موتہ" کے باب کے اختتام پر حاشیہ میں درج کر دیا ہے۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید کا لقب "سیف اللہ" اسی حدیث کی رُو سے مشہور ہوا۔ (مرتب)

مسلمانوں کو پیچھے ہٹالیں کہ رومیوں کو تعاقب کی ہمت نہ ہو۔ جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ یہ روایات بھی موجود ہیں کہ غسانیوں کے ہراول دستے نے جب حملہ کیا تو واقعتاً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور ہراول دستہ شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ بعد میں دشمن کی پوری فوج نے یکبارگی حملہ کر کے مسلمانوں کی فوج کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے پہاڑ کی جانب سے دشمنوں کا گھیرا توڑا اور اپنے لشکر کو لے کر پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے اور اس طرح اپنی فوج کو دشمنوں کے حملوں سے بچالائے۔

جب یہ فوج مدینہ پہنچی تو بعض روایات میں آتا ہے کہ لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ بھاگ کر آئے ہیں۔ چند لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر ان پر کنکریاں اور ریت پھینکی کہ تم لوگ بھگوڑے ہو۔ تم لوگ اللہ کی راہ میں قتال کے لئے گئے تھے لیکن اپنی جان بچا کر آ گئے ہو۔

نبی اکرم ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپؐ بنفس نفیس مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ آپؐ نے بڑے تپاک سے فوج کا استقبال کیا اور یہ ارشاد فرما کر ان کو تسلی دی کہ تم مفرور نہیں ہو' بلکہ دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو ـــــ جیسے سورۃ الانفال میں آچکا تھا کہ پینترا بدلنے اور جنگی چال کے طور پر یا نئی قوت کے ساتھ پھر مقابلے کی نیت کے ساتھ پیچھے ہٹا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے[1] غزوۂ موتہ سے بچ کر آنے والے اہل ایمان دراصل اسی زُمرے میں آتے تھے' یہ جان بچا کر فرار نہیں تھا۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ نے اس فوج کو تسلی دی۔ ادھر نہ صرف غسانی بلکہ سارا عرب اور مشرق وسطیٰ یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اس مقابلہ میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آسکے۔ مسلمانوں کے جتنے لوگ شہید ہوئے

---

(۱) سورۃ انفال کی آیت نمبر ۱۶ میں کفار کے مقابلہ میں جان بچا کر پیٹھ پھیرنے والوں کے لئے اللہ کے غضب اور جہنم کی وعید آئی ہے۔ اسی آیت کے درمیان میں یہ استثنائی الفاظ آئے ہیں: ﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾۔ (مرتب)

اس سے کہیں زیادہ تعداد میں کفار مقتول ہوئے۔ پھر ایک لاکھ کی فوج کے نرغہ سے تین ہزار کی مختصر سی فوج کو بچالے جانا بھی فوجی اعتبار سے بڑے اچنبھے کی بات تھی۔ یہی چیز تھی جس نے شام اور عراق کی سرحدوں پر آباد قبائل اور نجدی قبائل کو اسلام کی دعوت توحید سے متاثر کیا اور اس غزوہ کے بعد ہزاروں کی تعداد میں ان قبائل کے لوگ ایمان لے آئے۔

غسانیوں کا خوف اور جنگی تیاریاں : جنگِ موتہ کے اس معرکے نے غسانیوں اور رومیوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کو خوف لاحق ہو گیا کہ مسلمان چین سے بیٹھنے والے نہیں ہیں۔ وہ یقیناً دوبارہ حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایک طرف غسانیوں نے فوجی تیاریاں شروع کر دیں' دوسری طرف انہوں نے قیصر روم کو لکھا کہ اس اُبھرتی ہوئی طاقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے' امسال پورا عرب قحط میں مبتلا ہے لہٰذا یہ بہترین موقع ہے کہ اس اُبھرتی ہوئی قوت کو کچل دیا جائے۔ چنانچہ ہرقل نے بھی چالیس ہزار کی فوج شام بھیج دی اور خود مزید فوج کے ساتھ حمص پہنچ گیا۔ اس طرح غسانیوں اور رومیوں نے ایک لشکر جرار تیار کر لیا۔

غزوۂ تبوک

شام اور عرب کے مابین تجارت کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ تاجروں کے ذریعہ سے یہ خبر پورے عرب میں پھیل گئی کہ غسانی رومی فوج کے ساتھ مل کر عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے والے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو بھی یہ خبریں برابر مل رہی تھیں چنانچہ آپؐ نے بھی فوج کی تیاری کا حکم دے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضور ﷺ کی طرف سے نفیر عام ہوئی۔ یعنی ہر مسلمان جس کو کوئی عذر شرعی لاحق نہ ہو اس کا اس غزوہ کے لئے نکلنا اور فوج میں شامل ہونا لازم قرار دے دیا گیا۔ اس سے قبل یہ ہوتا تھا کہ جب بھی کہیں کوئی مہم بھیجنی ہوتی تھی تو نبی اکرم ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرماتے اور مہم کے لئے مطلوبہ تعداد کے

مطابق یا خود انتخاب فرماتے یا اُن اصحاب کو شامل فرما لیتے جو خود کو اس مہم کے لئے پیش کرتے۔ لیکن اس مرتبہ صورت حال مختلف تھی۔ چنانچہ نفیرِعام کے نتیجہ میں تیس ہزار کی فوج تیار ہو گئی اور آپؐ اس لشکر کو لے کر تبوک طرف روانہ ہوئے۔

سورۃ التوبہ کا اکثر حصہ غزوۂ تبوک سے متصلاً قبل اور متصلاً بعد کے واقعات پر سیر حاصل تبصرہ ہے۔ یہی موقع ہے کہ جس میں منافقین کا کردار نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے اور ان کے نفاق کا پردہ چاک ہوتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سخت ترین امتحان : غزوۂ احزاب کی طرح غزوۂ تبوک بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کے لئے نہایت سخت امتحان کا موقع تھا۔ اس لئے کہ اب ٹکراؤ وقت کی دو عظیم ترین طاقتوں میں سے ایک طاقت یعنی سلطنت روما سے درپیش تھا۔ اب بات عربوں کی باہمی جنگ کی نہیں تھی جہاں ایک اور تین چار یا ایک اور دس یا بیس کی نسبت ہو۔ اب تو سلطنت روما سے ٹکراؤ کا مسئلہ درپیش تھا کہ جس کے پاس لاکھوں کی تعداد میں ہر وقت باقاعدہ فوجیں تیار رہتی تھیں' جو اُس دور کے اعتبار سے اعلیٰ ترین ہتھیاروں سے لیس تھیں۔ غسانیوں نے لاکھوں کا لشکر تیار کر رکھا تھا' جس کی پشت پر خود ہرقل قیصرِ روم اپنی کثیر فوج کے ساتھ شام میں موجود تھا اور وہ کسی طرح بھی اپنے ان مقبوضات سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک طرف یہ صورت حال تھی' دوسری طرف عالم یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتنا سخت امتحان لیا کہ ہر مسلمان کا جنگ کے لئے نکلنا لازم فرمایا' اِلاّ یہ کہ وہ ضعیف یا بیمار ہو۔ پھر یہ کہ قحط کا عالم اور شدت کی گرمی کا موسم تھا کہ لوگوں کو ویسے بھی گھر سے نکلنا شاق گزرتا تھا۔ ان حالات میں طویل سفر گویا خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر منافقین کا پردہ چاک ہو گیا' جو خود بھی جنگ کے لئے نکلنے سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے کہ ﴿ لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ﴾ "گرمی میں نہ نکلو"۔ مزید یہ کہ کھجوروں کی فصل تیار تھی اور یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اگر اب چلے گئے تو یہ کھجوریں کون اتارے

گا۔ یہ درختوں ہی پر گل سڑ کر ختم ہو جائیں گی۔ پہلے ہی کھانے کے لالے پڑے ہیں' یہ فصل بھی اگر برباد ہو گئی تو پھر کیا ہو گا؟

سب پر مستزاد یہ کہ طویل ترین سفر اور سلطنت روما سے ٹکراؤ کا مرحلہ درپیش تھا' لہٰذا ساز و سامان بھی کافی درکار تھا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دے رہے تھے کہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مالی انفاق بھی کرو۔ نبی اکرم ﷺ کی اس ترغیب کے نتیجہ میں پرستارانِ حق نے ساز و سامان کی فراہمی میں اپنی بساط سے بڑھ کر حصہ لیا۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آسودہ حال تھے انہوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ یہی وہ موقع ہے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا نصف ساز و سامان اور اثاثہ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارے کا سارا اثاثہ نذر کر دیا اور گھر میں جھاڑو پھیر دی۔ غریب صحابہ رضی اللہ عنہم نے محنت مزدوری کر کے جو کچھ کمایا لا کر حاضر کر دیا۔ ایک صحابیؓ نے رات بھر ایک باغ میں پانی سینچا اور اس کے معاوضہ میں انہیں جو کھجوریں ملیں وہ لا کر خدمتِ اقدس میں پیش کر دیں۔ عورتوں نے اپنے زیور اُتار کر دے دیئے۔ الغرض تمام اہل ایمان میں جوش جہاد کی لہر دوڑ گئی۔

یہ نفیر عام اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب منافقوں کے لئے کسوٹی بن گئی۔ اس موقع پر پیچھے رہ جانے اور انفاق سے ہاتھ روکنے کے معنی یہ تھے کہ ایسے شخص کا اسلام کے ساتھ تعلق کا معاملہ مشتبہ ہو جاتا۔ چنانچہ منافقین کے لئے یہ موقع ان کے نفاق کا پردہ چاک کرنے کا سبب بن گیا۔ دوسری طرف وہ اہلِ ایمان بھی تھے جو سواریوں کی کمی اور سامان کی قلت کی وجہ سے تبوک کے سفر پر جانے سے معذور تھے۔ حالانکہ ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکلیں۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں رو رو کر کہتے کہ اگر آپؐ ہمیں بھی لے چلیں تو ہماری جانیں قربان ہونے کے لئے حاضر ہیں۔ ان مُخلِصین کی بے تابیوں کو دیکھ کر حضور ﷺ کا دل بھر آتا تھا ـــــ چنانچہ سورۃ التوبہ میں جہاں ضعفاء اور مریضوں کو اس غزوہ میں شرکت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے تسلی دی گئی وہاں ان مخلص اہلِ ایمان صحابہ کی

تسلی کے لئے یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی :

﴿ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ص تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ○ ﴾ (آیت ۹۲)

"اور (اسی طرح) ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے جو (اے نبی) آپؐ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ ہم کو سواری دیجئے (تاکہ ہم بھی ساتھ چلیں) تو آپؐ نے کہا کہ میرے پاس سواری نہیں ہے جس پر تم کو سوار کر سکوں تو وہ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہم اس جہاد میں حصہ لینے کی مقدرت نہیں رکھتے۔"

تبوک کی طرف کوچ : الغرض رجب ۹ھ میں نبی اکرم ﷺ نے ۳۰ ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے شام کی طرف کوچ فرمایا اور تبوک کے مقام پر قیام فرمایا جو شام اور جزیرہ نمائے عرب کا سرحدی مقام ہے۔ اس سفر میں دس ہزار گھڑسوار آپؐ کے ہمراہ تھے۔ اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔

قیصر کا جنگ سے اعراض : غسانیوں نے لاکھوں کی فوج تیار کر رکھی تھی اور قیصر نے چالیس ہزار رومی سپاہ ان کی مدد کے لئے بھیج رکھی تھی۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی ایک لشکر جرار کے ساتھ غسانیوں کی مدد کے لئے حمص میں موجود تھا۔ لیکن جب قیصر کو یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا جو لشکر مدینہ سے آرہا ہے اس کی قیادت خود جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں تو اس نے غسانیوں اور رومی فوجوں کو حکم بھیجا کہ سرحد سے تمام فوجیں واپس چلی آئیں۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ حضور ﷺ اللہ کے رسولؐ ہیں اور یہ کہ اللہ کے رسولؐ سے مقابلے کا نتیجہ شرمناک شکست کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ پھر غزوۂ موتہ میں ایک جانب تین ہزار اور دوسری جانب ایک لاکھ فوج کے مقابلہ کی جو کیفیت اس کے علم میں تھی تو اس کے بعد اس کی ہمت

نہ پڑی کہ وہ تیس ہزار فدائین کے اس لشکر سے مقابلہ کرے جس کی کمان خود نبی اکرم ﷺ فرما رہے تھے۔ حالانکہ اُس وقت اس کے پاس غسانیوں اور رومیوں کی دو لاکھ سے بھی زیادہ فوج موجود تھی۔ چنانچہ وہ طرح دے گیا اور اس نے سرحد سے تمام فوجیں واپس ہٹا کر مسلح تصادم کا ہر امکان روک دیا۔

نبی اکرم ﷺ کے اقدامات : نبی اکرم ﷺ نے اس مرحلہ پر قیصر کے اعراض اور پسپائی کو کافی سمجھا اور از خود تبوک سے آگے بڑھ کر شام کی سرحد میں داخل ہونے کے بجائے اس بات کو ترجیح دی کہ اس طرح لشکر اسلام کو جو اخلاقی اور نفسیاتی فتح حاصل ہوئی تھی اس سے زیادہ سے زیادہ سیاسی اور جنگی فوائد حاصل کئے جائیں۔ حضورؐ وہاں بیس دن تک مقیم رہے تاکہ اگر قیصر مقابلہ میں آتا ہے تو آئے ـــــ اس عرصہ کے دوران آپؐ نے سرحد کے اردگرد جو قبائل آباد تھے' ان کے رئیسوں اور سرداروں سے معاہدے کئے اور اس طرح اس علاقے میں اپنی پوزیشن مضبوط بنالی۔ گویا ہجرت کے بعد غزوۂ بدر سے قبل حضورؐ نے قریش کے خلاف جو اقدام (Active Resistance) کیا اور قریش کی سیاسی ناکہ بندی (Political Isolation) کی وہی کام حضور ﷺ نے تبوک کے ۲۰ یوم کے قیام کے دوران انجام دیا۔ اس کے بعد آپؐ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

الغرض یہ ہیں سیرت کے وہ اہم واقعات یعنی سلاطین و رؤساء کو نامہ ہائے مبارکہ کی ترسیل' جنگ موتہ اور غزوۂ تبوک جن سے انقلابِ محمدیؐ کی بین الاقوامی تصدیر (Export) کے کام کا آغاز ہوا۔ یعنی جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر اب اطراف واکنافِ عالم میں حضورؐ کی انقلابی دعوت پہنچانے اور توحید کا علم کرۂ ارضی پر بلند کرنے کا جو کام اُمت کے سپرد تھا' اس کا راستہ حضور ﷺ نے بنفسِ نفیس کھول دیا۔

حجۃ الوداع

نبی اکرم ﷺ نے ۱۰ھ میں فریضۂ حج ادا فرمایا۔ ہجرت کے بعد آپؐ کا یہی پہلا اور آخری حج ہے۔ اسی لئے اسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اس حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا مشن اُمت کے حوالہ فرمادیا۔ اس موقع پر سوا لاکھ کا مجمع موجود تھا۔ آپؐ نے پہلے تو مجمع سے گواہی لی کہ میں نے اللہ کا دین تم تک پہنچادیا کہ نہیں؟ جب تین مرتبہ پورے مجمع نے اقرار کیا کہ بے شک آپؐ نے حق تبلیغ، حق نصیحت اور حق امانت ادا فرمادیا تو پھر آپؐ نے فرمایا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) "یعنی (میں نے اللہ کا دین تم تک پہنچادیا) اب وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں (ان کی ذمہ داری ہے کہ اس دین کو) پہنچائیں ان تک جو یہاں موجود نہیں ہیں۔"

نبی اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی میں گویا یہ بات از خود مضمر ہے کہ میں نے جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اسلامی انقلاب کی تکمیل کردی ہے اور اس عمل کا آغاز کردیا ہے جس کا تعلق بین الاقوامی مرحلہ سے ہے۔ لہٰذا انقلاب کی عالمی سطح پر تکمیل کی ذمہ داری اب تمہارے کاندھوں پر ہے۔

رفیقِ اعلیٰ کی طرف مراجعت

حجۃ الوداع کے بعد ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ھ تک حضور ﷺ کی حیاتِ دُنیوی کے ۸۰ دن بنتے ہیں جس کے بعد ((اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى)) فرماتے ہوئے آپؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اور رفیقِ اعلیٰ کی طرف مراجعت فرمائی۔ اس مراجعت سے چند دن قبل آپؐ نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں شام کی سرحد کی طرف پیش قدمی کے لئے ایک لشکر تیار فرمادیا تھا، جسے بجا طور پر اس بات کا ثبوت قرار دیا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس انقلاب کی بین الاقوامی سطح پر پیش قدمی کرنے کے لئے اُمت اور اپنے جانشینوں کے لئے ایک واضح لائحہ عمل کی جانب رہنمائی فرمادی تھی اور اس ضمن میں قابلِ تقلید عملی نمونہ بھی پیش فرمادیا تھا۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات OO

غلطیوں کی اصلاح کا نبوی طریق کار(۱۰)

تالیف : علامہ محمد صالح المنجد' مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے
نبی اکرم ﷺ کے اختیار کردہ مختلف اسلوب

۳۵) غلطی کرنے والے کو صاف طور پر اس کی غلطی بتادینا :

صحیح بخاری میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : میرا کسی آدمی سے جھگڑا ہو گیا' اس کی ماں عجمی تھی۔ میں نے اس کو ماں کا طعنہ دیا' اُس نے نبی ﷺ کو بتایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "فلاں شخص سے تمہارا اگلی گلوچ ہوا؟" میں نے کہا : "جی ہاں"۔ فرمایا : "تم نے اس کی ماں کو بُرا کہا؟" میں نے کہا : "جی ہاں"۔ فرمایا : "تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت کا اثر باقی ہے"۔ میں نے کہا : "اس بڑھاپے میں بھی؟" فرمایا : "ہاں' وہ (غلام) تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے۔ تو جس کے قبضہ میں اللہ نے اس کے بھائی کو کیا ہو' اسے چاہئے کہ جو خود کھائے اسے کھلائے اور جو خود پہنے اسے پہنائے' اور اسے اس کام میں نہ لگائے جو اُس پر غالب آ جائے (انتہائی دشوار ہو) اور اگر اسے کسی ایسے کام میں لگائے جو اس پر غالب آئے تو اس کی ادائیگی میں اس کی مدد بھی کرے"۔ (۱۲۰)

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میرے بھائیوں میں سے ایک آدمی کے ساتھ میری تلخ کلامی ہو گئی' اس کی ماں عجمی تھی' میں نے اسے ماں کا طعنہ دیا۔ اُس نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے میری شکایت کی۔ نبی اکرم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی تو آپؐ نے فرمایا : "ابوذر! تمہارے اندر جاہلیت پائی جاتی ہے"۔ میں نے کہا : "اللہ کے رسول! جو کوئی لوگوں کو گالی دیتا ہے' لوگ اس کے ماں باپ کو گالی دیتے

ہیں"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ابوذر! تمہارے اندر جاہلیت پائی جاتی ہے۔ وہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے قبضے میں دے دیا ہے' لہٰذا انہیں وہ کچھ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو' اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور ان کے ذمے وہ کام نہ لگاؤ جو ان پر غالب آ جائے۔ اگر ایسا کام ان کے ذمے لگاؤ تو ان کی مدد کرو"۔ (۱۴۱)

نبی اکرم ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو بلا تمہید اور پوری صراحت سے یہ بات فرما دی' کیونکہ آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ صحابی رضی اللہ عنہ اس کو قبول کر لیں گے۔ کیونکہ صراحت ایک مفید ذریعہ ہے' جس میں وقت بھی کم لگتا ہے اور محنت بھی زیادہ نہیں کرنا پڑتی' اور اصل مقصد بھی بڑی سہولت سے واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن اس طریقہ کار کا استعمال مناسب حالات میں اور مناسب افراد کے ساتھ ہی کیا جا سکتا ہے۔

بعض اوقات عالم غلطی پر صراحت سے تنبیہ کرنے سے اجتناب کرتا ہے' جب کہ اس طریقہ کے استعمال کے نتیجہ میں کوئی بڑی خرابی پیدا ہونے کا خطرہ ہو' یا کوئی بڑا فائدہ ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً غلطی کرنے والا معاشرہ میں ممتاز مقام کا حامل ہے یا کسی بلند عہدے پر فائز ہے جس کی وجہ سے وہ اس اسلوب سے کی ہوئی تنقید برداشت نہیں کرتا۔ یا خطرہ ہے کہ صراحت کرنے پر غلطی کرنے والا اپنے آپ کو سخت مشکل میں محسوس کرے گا' یا وہ اس قدر حساس طبیعت کا مالک ہے کہ اس سے منفی رد عمل سرزد ہونے کا امکان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غلطی کرنے والا صراحت کے اسلوب کو پسند نہیں کیا کرتا' اور اسے برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے' کیونکہ اس میں سامنے ہو کر بات کی جاتی ہے' اور تنقید کرنے والا گویا استاد جیسے بلند مقام پر فائز محسوس ہوتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں غلطی کرنے والا ایک نقص کا حامل اور کم تر مقام پر نظر آتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ گھما پھرا کر بات کرنے کے بھی منفی پہلو موجود ہیں' جو بعض اوقات صراحت کے اسلوب سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ غلطی کرنے والا یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اسے کم عقل سمجھ کر تضحیک کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ممکن ہے وہ اشاروں کنایوں کی وجہ سے پریشانی محسوس کرے کیونکہ وہ انہیں طنز اور ذہنی اذیت سمجھتا

ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے جو بات سمجھانا مقصود ہے وہ اسے سمجھ ہی نہ سکے' کیونکہ کلام کا اصل مقصد پوشیدہ ہے اور غلطی کرنے والے کا ذہن اس تک نہیں پہنچ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ غلطی پر قائم رہے گا۔ ویسے بھی ہر شخص میں قبولیت کی طرف میلان ایک جیسا نہیں ہوتا۔ مزید برآں ایک شخص کے لئے ایک انداز بہترین ہوتا ہے' دوسرے آدمی کے لئے کوئی دوسرا اسلوب بہتر ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات ہر حال میں درست ہے کہ تبلیغ کی کامیابی میں رہنمائی کرتے وقت حسن خلق کا اثر سب سے زیادہ ہے۔

۳۶) غلطی کرنے والے کو قائل کرنا:

غلطی کرنے والے کو قائل کرنے کے لئے اس سے تبادلہ خیال کی کوشش کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس طرح اس کی عقل پر سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے جو حق کی قبولیت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے' چنانچہ آدمی سیدھی راہ قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ سنت نبویؐ میں سے اس کی ایک مثال طبرانی کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان لڑکا جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور کہا: "اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجئے"۔ لوگوں نے بلند آواز سے اسے منع کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے (حاضرین سے) فرمایا: "بس کرو"۔ پھر فرمایا: "اسے سکون سے بیٹھنے دو"۔ اور اُسے فرمایا: "قریب آجاؤ"۔ وہ قریب آ گیا' حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کے بالکل سامنے آ بیٹھا۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: "کیا تم اپنی والدہ کے لئے یہ چیز پسند کرتے ہو؟" اُس نے کہا: "جی نہیں"۔ فرمایا: "اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے یہ چیز پسند نہیں کرتے ـــــ کیا تم اپنی بیٹی کے لئے یہ چیز پسند کرتے ہو؟" اس نے کہا "جی نہیں"۔ فرمایا: "اسی طرح لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے یہ بات پسند نہیں کرتے" ـــــ "کیا تم اپنی بہن کے لئے یہ پسند کرتے ہو؟" اُس نے کہا: "جی نہیں"۔ فرمایا: "اسی طرح لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے یہ چیز پسند نہیں کرتے ـــــ کیا تم اپنی پھوپھی کے لئے یہ بات پسند کرتے ہو؟" اُس نے کہا: "جی نہیں"۔ فرمایا: "اسی طرح لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لئے پسند نہیں کرتے ـــــ کیا تم اپنی خالہ کے لئے یہ پسند

کرتے ہو؟" اُس نے کہا : "جی نہیں"۔ فرمایا : "اسی طرح لوگ بھی اپنی خالاؤں کے لئے پسند نہیں کرتے"۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ اس کے سینے پر رکھا اور فرمایا : "اے اللہ! اس کا گناہ معاف کردے' اس کے دل کو پاک کردے' اور اسے پاک دامنی بھی عطا فرما"۔ (۱۳۲)

۳۷) غلطی کرنے والے کو یہ احساس دلانا کہ اس کا عذرِ لنگ ناقابل قابل قبول ہے :

بعض اوقات غلطی کرنے والا من گھڑت اور ناقابل قبول وجوہات تراش کر اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے' خصوصاً جب کہ معاملہ اچانک ظاہر ہو جائے اور وہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہ ہو۔ بعض اوقات جھوٹا بہانہ کرتے ہوئے زبان اٹکتی ہے' خاص طور پر جب آدمی صاف دل والا ہو اور اسے جھوٹ بولنا نہ آتا ہو۔ اگر مربی کے سامنے اس قسم کے آدمی کا کوئی معاملہ آئے تو وہ کونسا طریق کار اختیار کرے؟ مندرجہ ذیل قصہ اگر صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو اس سے نبی اکرم ﷺ کا اپنے ایک صحابی کے ساتھ بڑا خوبصورت اور مبنی بر حکمت موقف سامنے آتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مربی کس طرح غلطی کرنے والے کو ایک تسلسل کے ساتھ غلطی کا احساس دلا سکتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی غلطی سے دستبردار ہو کر اصلاح کرلے۔

حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ہم نے جناب رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں مرالظہران کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ میں اپنے خیمے سے نکلا' اچانک مجھے کچھ خواتین باتیں کرتی نظر آئیں۔ مجھے یہ منظر اچھا لگا۔ میں نے واپس اپنے خیمے میں جا کر اپنا بقچہ نکالا' اس میں سے ایک حُلہ (عمدہ جوڑا) نکال کر پہنا' اور اُن کے پاس آ بیٹھا۔ (اچانک) رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ (مجھے عورتوں کے پاس بیٹھے دیکھ کر) فرمایا : "اے ابو عبداللہ!" جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو میں خوفزدہ ہو گیا اور مجھ سے کوئی بات نہ بن پائی۔ میں نے کہا : "اللہ کے رسول! میرا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے' میں اس کے لئے رسی کی تلاش میں ہوں"۔ حضور علیہ السلام چل دیئے' میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل

پڑا۔ آپؐ نے اپنی چادر میرے پاس رکھ دی (مطلب یہ تھا کہ یہیں رکے رہو) اور خود (قضائے حاجت کے لئے) درختوں میں تشریف لے آئے۔ مجھے درختوں کے سبز رنگ میں سے آپ کی کمر مبارک کی سفیدی نظر آ رہی تھی۔ فارغ ہو کر آپؐ نے وضو کیا' اور تشریف لائے تو آپؐ کی ریش مبارک سے پانی ٹپک ٹپک کر سینے پر گر رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا : "ابو عبداللہ! تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟" اس کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے جب بھی رسول اللہ ﷺ مجھے ملتے تو فرماتے "السلام علیکم' ابو عبداللہ! تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟" یہ کیفیت دیکھ کر میں تیزی سے سفر کر کے مدینہ پہنچ گیا' میں نے مسجد میں آنا اور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔ جب کافی دن گزر گئے تو میں ایسے وقت مسجد کی طرف چلا جب وہ (نمازیوں سے) خالی ہو' میں وہاں کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ بھی کسی حجرہ شریف میں سے نکل کر تشریف لے آئے اور ہلکی سی دو رکعتیں پڑھیں۔ میں نے نماز لمبی کر دی کہ شاید حضور علیہ السلام مجھے چھوڑ کر تشریف لے جائیں۔ آپؐ نے فرمایا : "ابو عبداللہ! جتنی لمبی چاہو نماز پڑھو' جب تک تم نماز سے فارغ نہیں ہو گے میں بھی نہیں اُٹھوں گا"۔ میں نے دل میں کہا : اللہ کی قسم! میں ضرور جنابِ رسول اللہ ﷺ سے معذرت کر لوں گا اور اپنے بارے میں حضور علیہ السلام کا دل صاف کر دوں گا۔ جب میں نے نماز سے سلام پھیرا تو آپؐ نے فرمایا : "ابو عبداللہ! السلام علیکم' تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟" میں نے عرض کیا : "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' وہ اونٹ تو جب سے میں مسلمان ہوا ہوں' کبھی نہیں بھاگا"۔ آنحضرت ﷺ نے تین بار فرمایا : "اللہ تجھ پر رحمت فرمائے"۔ اس کے بعد آپؐ نے دوبارہ وہ بات نہیں فرمائی۔ (۱۲۳)

یہ تربیت کا ایک عمدہ درس ہے' اور ایسے پُر حکمت طریق کار کی مثال ہے جس سے مطلوبہ نتیجہ حاصل ہو گیا۔ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل مسائل بھی اخذ کئے جا سکتے ہیں :

☆ مربی کی ایک ہیبت ہے' چنانچہ جب وہ غلطی کے مرتکب کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ شرم محسوس کرتا ہے۔

☆ مربی کے سوالات —— باوجود مختصر ہونے کے —— اور مربی کی نظریں بہت کچھ

سمجھا دیتی ہیں' اور ان کا دل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔

☆ من گھڑت عذر' جس میں واضح خلل اس کو غلط ثابت کر رہا ہے' اسے سن کر بحث نہ کرنا اور عذر کرنے والے سے اعراض کر لینا' یہ احساس دلانے کے لئے کافی ہے کہ اس کا عذر قبول نہیں ہوا' اور یہ چیز اُسے توبہ اور معذرت کی طرف مائل کرتی ہے۔ یہ نکتہ اس حدیث کے ان الفاظ سے ظاہر ہے : "حضور علیہ السلام چل دیئے"۔

☆ اچھا مربی وہ ہے جو غلطی کرنے والے کے دل میں حیاء کا احساس بھی پیدا کر دے جس کی وجہ سے وہ اس سے روپوش رہنا چاہتا ہے' اور یہ احساس بھی پیدا کرے کہ اسے اس کے پاس حاضر ہونے کی ضرورت ہے۔ اور آخر کار دوسرا احساس پہلے پر غالب آجائے۔

☆ اس قسم کے حالات میں جب غلطی کا مرتکب اپنا موقف تبدیل کر لیتا ہے' تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی غلطی کا معترف ہے اور اس سے رجوع کر رہا ہے۔

۳۸) انسان کی فطری کمزوریوں کو ملحوظ رکھنا :

اس کی ایک مثال عورتوں' اور خصوصاً سوکنوں میں رقابت کا جذبہ ہے۔ بعض اوقات اس جذبہ کے زیر اثر عورت سے ایسی غلطی سرزد ہو جاتی ہے کہ اگر کسی اور انسان سے عام حالات میں سرزد ہو تو اس سے بالکل مختلف طریقے سے سلوک کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ عورتوں کی باہمی رقابت' اور اس کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والی غلطیوں کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے' اور اس میں عدل و انصاف کے ساتھ ساتھ صبر' برداشت اور تحمل کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صحیح" میں حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا : "نبی اکرم ﷺ اپنی کسی زوجہ محترمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں تشریف فرما تھے۔ ایک اُم المومنین (رضی اللہ عنہا) نے ایک چوڑے برتن میں کھانا بھیجا۔ نبی اکرم ﷺ جس خاتون کے ہاں تشریف فرما تھے' انہوں نے خادمہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جس کی وجہ سے برتن گر کر ٹوٹ گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے برتن کے ٹکڑے جمع کئے' اور ان میں گرا ہوا کھانا ڈالنے لگے اور فرمایا : "تمہاری

ماں کو غیرت آگئی"۔ پھر آپؐ نے خادمہ کو روک لیا حتیٰ کہ جس اُم المومنین رضی اللہ عنہا کے ہاں حضور علیہ السلام تشریف فرما تھے' ان کے گھر سے برتن حاضر کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے صحیح برتن اُن کے ہاں بھیج دیا جن کا برتن ٹوٹا تھا اور ٹوٹا ہوا برتن ان کے ہاں رہنے دیا جنہوں نے توڑا تھا۔ (۱۲۴)

سنن نسائی میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے ایک چوڑے برتن میں کھانا لائیں۔ (اتنے میں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگئیں۔ انہوں نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور ان کے پاس ایک پتھر تھا۔ انہوں نے پتھر مار کر برتن توڑ دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے برتن کے دونوں ٹکڑوں کو ملا کر رکھا اور دو بار فرمایا: "کھاؤ' تمہاری ماں کو غیرت آگئی تھی"۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا برتن لے کر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بھیج دیا اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا (ٹوٹا ہوا) برتن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ (۱۲۵)

سنن دارمی میں حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک زوجہ محترمہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک بڑا پیالہ بھیجا جس میں ثرید تھا۔ حضور علیہ السلام اپنی کسی دوسری زوجہ محترمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے پیالے کو کچھ مار کر توڑ دیا۔ نبی اکرم ﷺ ثرید اٹھا اٹھا کر پیالے میں ڈالنے لگے اور فرمایا: "کھاؤ' تمہاری ماں کو غیرت آگئی"۔ (۱۲۶)

عورت کا غیرت و رقابت کا جذبہ اس کی فطرت میں رچا بسا ہوا ہے' جو اُس سے بڑے بڑے کام کروا دیتا ہے اور اس کی نگاہ سے نتائج و عواقب کو اوجھل کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی وہ کیفیت ہو جاتی ہے جیسے کسی کا قول ہے کہ "عورت پر جب غیرت کا جذبہ غالب آتا ہے تو اسے یہ بھی نظر نہیں آتا کہ وادی کا اُونچا کنارہ کونسا ہے اور نیچی زمین کونسی؟"

حرفِ آخر

سنت نبویہ کے معطر چمن کی اس مختصر سی سیر سے نبی اکرم ﷺ کے وہ مختلف اسوب

سامنے آئے ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے عام لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے اختیار فرمائے۔ اس موضوع پر جو گزارشات پیش کی گئی ہیں' بہتر ہے چند نکات میں ان کی دوبارہ یاددہانی ہو جائے :

☆ غلطیوں کی اصلاح لازمی ہے اور اہم بھی —— اور یہ دینی خیرخواہی کی ایک صورت اور نہی عن المنکر کا ایک جزء ہے۔ لیکن یہ فریضہ کا صرف ایک جزء ہے' کیونکہ دین میں صرف نہی عن المنکر نہیں' امر بالمعروف بھی شامل ہے۔

☆ تربیت صرف غلطیوں کی اصلاح کا نام نہیں' بلکہ اس میں دین کے اصول و قواعد اور شرعی احکام بتانا' سمجھانا اور سکھانا بھی شامل ہے اور افراد کے ذہن میں ان تصورات کو واضح اور راسخ کرنے کے لئے مختلف ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے' مثلاً عملی نمونہ پیش کرنا' وعظ و نصیحت کرنا' واقعات اور کہانیاں سنانا' وغیرہ۔ بعض والدین' اساتذہ اور تربیت کرنے والوں سے یہ کوتاہی سرزد ہوتی ہے کہ پوری توجہ غلطیوں کی تلاش اور ان کے علاج کی طرف مبذول کر دیتے ہیں اور بنیادی تصورات کی تعلیم کی طرف کماحقہ توجہ نہیں کرتے' حالانکہ بے راہ روی اور غلطیوں کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے حفاظتی اقدامات اختیار کرنے سے ان کی مقدار کم ہو سکتی ہے' بلکہ یہ ختم بھی ہو سکتی ہیں۔

☆ مذکورہ بالا واقعات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے غلطیوں کی اصلاح کے لئے جو اقدامات فرمائے ہیں' ان میں بہت تنوع پایا جاتا ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حالات اور افراد کے بدلنے سے اصلاح کا اسلوب بھی بدل جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس معاملہ میں نبی اکرم ﷺ کی اقتدا کرنا چاہتا ہے' وہ پیش آنے والے واقعات میں تفقہ اور اجتہاد سے کام لیتے ہوئے ان نظائر کو سامنے رکھتا ہے اور مسئلہ کو اس سے مشابہ مسئلہ پر قیاس کر کے وہ اسلوب منتخب کر لیتا ہے جو کسی خاص موقعہ کے لئے زیادہ مناسب ہو۔

آخر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں سمجھ نصیب فرمائے اور ہمیں نفس

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

مسجد دار السلام باغ جناح کے خطابات جمعہ کے پریس ریلیز

(۱)

چین کی طرف سے دفاعی معاہدے کی پیشکش نہایت خوش آئند ہے
واجپائی کی آمد پر جماعت اسلامی کا احتجاج قوم کی طرف سے فرضِ کفایہ ہے

۲۶۔ فروری = ہمارے قومی مسائل کا واحد حل نیو ورلڈ آرڈر کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے' تاہم اس کیلئے عوام میں ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرنا ہو گا۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطابِ جمعہ میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ قرض کی مے پینے کی پرانی عادت نے پاکستانی معیشت کو تباہی کے کنارے تک پہنچا دیا ہے اور اب ہم امریکہ اور آئی ایم ایف کے ہر حکم کی تعمیل پر مجبور ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پاکستان کی خداداد ایٹمی صلاحیت در حقیقت پوری امت مسلمہ کا اجتماعی سرمایہ ہے' جسے امریکی اور یہودی لابی تباہ کرنے کیلئے اعلانیہ اور خفیہ سازشوں میں مصروف ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ان حالات میں جبکہ پاکستان امریکہ کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہے' چین کی طرف سے دفاعی معاہدے کی پیشکش نہایت خوش آئند ہے۔ اس سنہری موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان کو بلا تاخیر چین سے دفاعی معاہدہ کرنا چاہئے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اس اہم پیشکش سے فائدہ نہ اٹھانا مجرمانہ غفلت اور سنگین غلطی ہو گی۔

امیر تنظیم اسلامی نے سپریم کورٹ کے شریعت ایپلٹ بینچ کی طرف سے حکومتی اپیل کو مسترد کرنے کے فیصلہ پر خراج تحسین پیش کیا اور اسے جرأت مندانہ اقدام قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس فیصلے پر شریعت ایپلٹ بینچ کے معزز جج صاحبان پوری قوم کی طرف سے شکریئے کے مستحق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کے قانونی مشیروں نے اپنے غیر آئینی مشوروں سے حکومت کو ہر سطح پر شرمندگی اور ہزیمت سے دوچار کیا ہے۔ سپریم کورٹ کی طرف سے فوجی عدالتوں کے قیام کو غیر آئینی اقدام قرار دینا اور سود کی زیر سماعت اپیل پر حکومتی درخواست کا مسترد ہونا حکومت کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ کے مترادف ہے جو انہی آئینی مشیروں کے غلط مشوروں کا مرہونِ منت ہے۔ انہوں نے کہا کہ سودی نظام کے خاتمے کیلئے اسلامی آئیڈیالوجی کونسل کی سفارشات اور راجہ ظفر الحق کمیشن کی مرتب کردہ رپورٹ کے ہوتے ہوئے حکومت کا وفاقی شرعی عدالت سے سود کے متبادل کیلئے رہنمائی کیلئے رجوع کرنا مضحکہ خیز

اور ناقابل فہم ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ ان سفارشات کو بلا تاخیر عملی جامہ پہنانے کا اعلان کر کے ملک سے سود کے خاتمے اور اسلامی معیشت کے قیام کی جانب مثبت پیش رفت کا آغاز کرے۔

بھارتی وزیر اعظم کی پاکستان آمد کے موقع پر جماعت اسلامی کے بھرپور احتجاج پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ جماعت اسلامی نے احتجاج کر کے پوری قوم کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کر دیا ہے۔ انہوں نے جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد سے کہا کہ وہ جماعت اسلامی کو اصولی 'انقلابی اسلامی جماعت کی شکل دے کر ملک میں نفاذ اسلام کی تحریک منظم کریں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اگر یہ خبر درست ہے کہ مال روڈ پر احتجاج کے سلسلے میں جماعت اسلامی نے انتظامیہ کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے تو اس سے جماعت اسلامی کا عمومی تشخص مجروح ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو جماعت اپنے کارکنوں اور حمایتیوں کو احتجاج کیلئے سڑکوں پر لاتی ہے اسی کا فرض ہے کہ وہ مظاہرین کو پرامن رکھے وگرنہ احتجاج کیلئے لوگوں کو سڑکوں پر لانے سے گریز کرے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے جماعت اسلامی لاہور کے زیر اہتمام لٹن روڈ لاہور پر منعقدہ جلسے کے شرکاء پر پولیس تشدد کو انتقامی کارروائی قرار دیتے ہوئے اس کی شدید مذمت کی۔

(۲)

نواز شریف امریکہ کے ساتھ سہ نکاتی ایجنڈے پر سودے بازی کر چکے ہیں

۱۲/ فروری = قرائن بتاتے ہیں کہ کشمیر پر "کیمپ ڈیوڈ" اور "اوسلو" طرز کا کوئی خفیہ معاہدہ طے پا چکا ہے' چنانچہ امریکہ اور برطانیہ کی نواز شریف پر اچانک نوازشات اسی "خدمت" کا نتیجہ ہیں' جس کا تازہ مظہر یہ ہے کہ برطانیہ نے الطاف حسین کے معاملے میں اپنی سابقہ پالیسی تبدیل کرتے ہوئے نواز شریف کے ساتھ تعاون کا عندیہ دیا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطاب جمعہ میں کہا ہے کہ نواز شریف نے یہ عارضی اور جزوی کامیابی بڑی بھاری قیمت دے کر حاصل کی ہے۔ چنانچہ وہ امریکی دباؤ کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے ہیں اور نیو ورلڈ آرڈر کے مقاصد کی تکمیل کیلئے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو سی ٹی بی ٹی اور ایف ایم سی ٹی کے ذریعے سبوتاژ کرنے' کشمیر کا مسئلہ حل کئے بغیر بھارت کی شرائط پر اس سے مفاہمت و مصالحت کرنے اور امریکہ کی ہدایات کی روشنی میں افغان پالیسی پر نظر ثانی کرنے کے تین نکاتی ایجنڈے پر سودے بازی کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پاکستان کے نظریاتی اساس یعنی اسلام کو یہاں مستحکم کئے بغیر پاکستان کو حقیقی اسلامی ریاست بنائے بغیر بھارت سے دوستی اور مفاہمت قومی سطح پر خودکشی کے مترادف ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ قرارداد مقاصد کی رو سے حاکمیت کا اختیار اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے' جسے حکمران اپنے اختیارات حکمرانی کو قرآن و سنت کی حدود کے اندر ہی استعمال کر سکتے ہیں مگر شرعی عدالت کے دائرہ اختیار پر عائد پابندیوں کو برقرار رکھ کر منافقانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ مذہبی جماعتیں پاور

پالیٹکس سے الگ ہو کر "اسلام لاؤ اور ملک بچاؤ" کی بنیاد پر یک نکاتی ایجنڈے کے تحت "متحدہ اسلامی محاذ" قائم کر کے ملک کو اسلام کا گہوارہ بنانے کی تحریک برپا کریں' وگرنہ شدید اندیشہ ہے کہ بعض مذہبی جماعتیں یہاں تشدد اور خونی انقلاب کا راستہ اختیار کر لیں گی جس سے مثبت تبدیلی کی بجائے ملک خانہ جنگی اور شدید افراتفری کا شکار ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ کراچی کے بعد ملک گیر سطح پر فوجی عدالتوں کا قیام اور واپڈا کو فوج کے حوالے سول حکومت کی ناکامی کے اعلان کے مترادف ہے۔ بجلی چوری کی روک تھام کی خاطر فوج کے چھاپوں سے متاثر ہونے والے بڑے سیاستدانوں اور مراعات یافتہ طبقات کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے "نوٹس دلاؤ پالیسی" کے ذریعے تحفظ فراہم کرنے کے اقدام سے ظاہر ہوتا ہے کہ بجلی چوری میں صرف واپڈا اہلکار ہی نہیں بلکہ خود حکمران طبقہ بھی ملوث ہے۔

(۳)

کشمیریوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی اور بھارت کے ساتھ دوستی منافقانہ طرزِ عمل ہے

۵ / فروری = موجودہ حکومت کا یہ طرزِ عمل منافقانہ ہے کہ ایک طرف تو تعطیل عام کے ذریعے کشمیری عوام سے یکجہتی کا دن منایا جا رہا ہے جبکہ دوسری طرف انہی کے قاتل بھارت سے روابط بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے جامع مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک وقت تھا جب ہم مسئلہ کشمیر حل کئے بغیر پاکستان اور بھارت کے تعلقات معمول پر لانے کی بات سننے کو بھی تیار نہ تھے لیکن موجودہ حکومت مسئلہ کشمیر کو یکسر نظرانداز کر کے ثقافت' کھیل اور تجارت کے میدان میں بھارت سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی ہے۔ جس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ کے اشارے پر موجودہ حکومت "اوسلو" طرز کا کوئی معاہدہ بھارت سے کر چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ شریف فیملی کے متکبرانہ طرزِ عمل کی وجہ سے پاکستان پر ایک خاندان کی حکومت قائم ہونے کی شکل پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن ان آسودۂ ساحل لوگوں کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ "ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں' خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں"۔ چنانچہ جس تیرھویں ترمیم کے قلعے میں انہوں نے پناہ لی تھی اس میں ان کے قریبی معتمد میاں اظہر کے استعفاء سے دراڑیں پڑ چکی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت اللہ کی عنایت کردہ ہے لیکن موجودہ حکومت امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے سی ٹی بی ٹی اور ایف ایم سی پر نہ صرف یہ کہ کوئی خفیہ سازباز کر چکی ہے بلکہ ان پر عمل درآمد بھی شروع ہو چکا ہے۔ اس طرح موجودہ حکومت اللہ کی ناشکری اور ملت اسلامیہ سے غداری کی مرتکب ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کی اس فرمانبرداری کے نتیجے میں اگرچہ آئی ایم ایف نے پاکستان کو قرضے کی ایک قسط جاری کر دی ہے

لیکن اس کے نتیجے میں حکومت کو بجلی کے نرخوں میں گیارہ فیصد اضافہ کرنا پڑے گا۔ جس کے باعث یہ امکان موجود ہے کہ عوامی سطح پر کوئی تحریک اٹھ کھڑی ہو یا پھر خانہ جنگی کی سی کیفیت اس ملک میں پیدا ہو جائے جو موجودہ حکومت کو خس و خاشاک کی طرف بہا لے جائے۔

ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ نظام سے بیزار اور غربت و مہنگائی کے ہاتھوں پریشان عوام کے ان جذبات کو صحیح رخ پر ڈالا جائے۔ اور دینی جماعتیں دین کے قیام کیلئے اکٹھی ہو کر منہاج نبویؐ کے مطابق ملک میں نفاذ شریعت کیلئے جدوجہد کریں۔ اس ضمن میں تنظیم اسلامی نے پہلا قدم بڑھادیا ہے اور بہت سی دینی جماعتوں کے رہنماؤں نے خالص دینی اتحاد کے قیام کی تجویز سے اتفاق کیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ یہ اتحاد منہج انقلاب نبویؐ کے پہلے مرحلے کے طور پر سب سے پہلے دعوت کی منزل طے کرے گا' پھر جو لوگ اس دعوت پر لبیک کہیں گے انہیں دوسرے مرحلے میں منظم کیا جائے گا اور جب معتدبہ تعداد حاصل ہو جائے گی تو تیسرے مرحلے میں نہی عن المنکر بالید کا آغاز کیا جائے گا۔ الحمدللہ اس ضمن میں تنظیم اسلامی نے تحریک دعوت رجوع الی القرآن کے ذریعے گزشتہ نصف صدی میں دعوت کے مرحلے میں خاصا کام کیا ہے۔ جس کا مظہر ملک کے طول و عرض میں قرآن کے نام پر قائم ہونے والے ادارے اور قرآن کانفرنسوں کا انعقاد ہے۔

بقیہ : غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار

امّارہ کی شرارتوں سے محفوظ رکھے۔ ہمیں نیکی کی راہیں کھولنے والے اور برائی کی راہیں بند کرنے والے بنائے' ہماری رہنمائی فرمائے اور ہمیں دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ یقیناً وہ ہماری دعائیں سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ وہی ہمارا آقا و مولا اور وہی مدد فرمانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ وصلی اللّٰہ علی النّبیّ الاُمّیّ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین 'والحمدُلِلّٰہ رَبِّ العالمین۔

(۱۲۰) فتح الباری ۶۰۵۰

(۱۲۱) صحیح مسلم' حدیث ۱۶۶۱

(۱۲۲) معجم کبیر طبرانی ۷۶۷۹ اور ۷۷۵۹

(۱۲۳) معجم کبیر طبرانی ۴: ۳۰۴۔ اس کی سند منقطع ہے کیونکہ زید بن اسلمؒ نے حضرت خوات ؓ سے نہیں سنا۔

(۱۲۴) صحیح بخاری' حدیث ۵۲۲۵

(۱۲۵) سنن نسائی' کتاب عشرۃ النساء۔ ۷/۷۰

(۱۲۶) سنن دارمی' کتاب البیوع' باب من کسر شیئا فعلیہ مثلہ

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

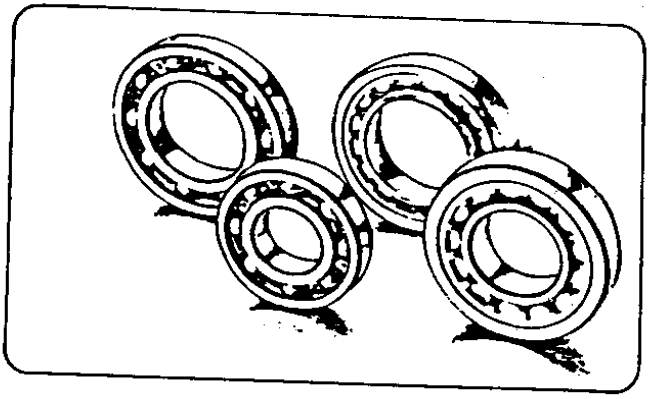

PLEASE CONTACT

TEL : 7732852-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE :
(Opening Shortly)
Amin Arcade 42,
Brandreth Road, Lahore-54000
Ph : 54169

GUJRANWALA :
1-Haider Shopping Centre, Circular Road,
Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 48 No. 3
March. 1999

FOTO SCAN PH;7234042-7111906